ارمغانِ فرنگ

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا

پیغام

برطانیہ کے مسلمانوں کے نام

ترتیب

محمد اکرم ندوی

ناشر

علامہ ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی۔ لندن

اُٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر
میں شاخِ تاک ہوں، میری غزل ہے میرا ثمر
مرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں ، فقیری ہے
خودی نہ بیچ ، غریبی میں نام پیدا کر

ارمغانِ فرنگ

عمر کا بارہواں سال تھا اور میں اسلامیہ کالج لکھنؤ میں ساتویں درجہ کا طالب علم کہ تبلیغی جماعت کے ایک سرگرم کارکن میرے ہم جماعت جناب محمد سعید خاں صاحب (جواَب ہلواسیہ مارکیٹ لکھنؤ میں ایک کامیاب تاجر ہیں) کی ایما پر کالج کے پرنسپل جناب محمد عبدالحیٔ صاحب مرحوم نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو طلباء کو خطاب کرنے کی دعوت دی۔ حضرت مولاناؒ پر اس زمانہ میں دعوت وتبلیغ کا غلبہ تھا چنانچہ عمل تبلیغ پر تقریر ہوئی ساتھ ہی وقت کی ضرورت کے مطابق دینی کتابوں کے مطالعہ پر ترغیب دلائی گئی اور کالج میں ایک دارالمطالعہ اور لائبریری کے انعقاد پر توجہ دلاتے ہوئے کتابوں کی پیش کش بھی کی اور جلد ہی چیدہ چیدہ کتابوں سے لیس کالج کے ایک چھوٹے کمرہ میں دارالمطالعہ اور لائبریری قائم ہوگئی، اور جب تک ہماری ٹیم رہی طلباء کو دینی وتبلیغی غذا پہنچاتی رہی ،اور کالج کے طلباء پر مشتمل جماعتوں کی مختصر چلت پھرت کا باعث بنی۔

بلا مبالغہ یہ ہماری حضرت مولانا علی میاںؒ (کہ اسی نام سے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ عوام الناس میں مشہور تھے) سے پہلی، تاریخی اور بالمشافہ ملاقات

تھی جس میں یوماً فیوماً اضافہ ہوتا گیا اور تعلق بڑھتا گیا کہ تین ہی چار سال کے بعد مرشدنا حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے تعلق ہوا اور حضرت مرشدنا نے مولانا علی میاںؒ سے جڑے رہنے کی تلقین فرمائی، اس طرح حضرت مولانا مرحوم سے ڈبل تعلق ہوگیا جو ترقی پذیر رہا۔

۱۹۵۷ء زندگی میں ایک دوسرا انقلاب لایا۔ انقطاع ملازمت نے لکھنؤ کو خیر باد کہہ کر کراچی ہجرت پر مجبور کیا۔ پاکستان میں دوران قیام ہندو پاک کی کشمکش ذرائع مواصلات پر اثر انداز رہی اور حضرت مولاناؒ سے ہمارا تعلق بھی سرد مہر۔

۱۹۶۱ء نے تیسرا انقلاب دکھایا اور ہمارا رزق کراچی سے لندن منتقل ہوگیا۔ اگلے دو سال نئے ملک، نئے ماحول اور نئی تہذیب میں تبلیغی جماعت سے تعلق کے باوجود بڑے ہی کٹھن اور صبر آزما گزرے کہ ۱۹۶۳ء میں حضرت مولاناؒ کے ایک خط بنام سید منور حسین صاحبؒ علیگ امیر التبلیغ لندن نے مولانا مرحوم کی لندن پہلی آمد کا مژدہ سنایا۔ غالباً ۱۹؍ستمبر ۱۹۶۳ء کو وکٹوریہ اسٹیشن لندن پر استقبال کرنے آگے بڑھا حضرت مولاناؒ نے کمزور بینائی کے باوجود فوراً پہچان لیا اور مسرور کہہ کر ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا۔ ''تمہیں دیکھ کر آدھی تھکن دور ہوگئی'' پھر گلے لگائے دعائیں دیتے رہے۔ جو آئندہ برسوں میں ہونے والے واقعات کی گویا پیش گوئی تھی۔ یہاں یہ بتاتا چلوں کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ سفر اسلامک سنٹر جنیوا (سوئٹزرلینڈ) کے ڈائرکٹر اور حضرت مولاناؒ کے پرانے رفیق الشیخ سعید رمضان کی دعوت پر ہوا تھا جس کے مولاناؒ بھی ٹرسٹی تھے۔ سنٹر کی سالانہ میٹنگ میں شرکت کر کے بذریعہ ہوائی جہاز لندن کے ہیتھرو ایرپورٹ پر اور وہاں سے بذریعہ ٹرین وکٹوریہ اسٹیشن پہنچے جہاں ایک بڑی جماعت نے استقبال کیا۔

عمر کا پچاسواں سال تھا، صحت بھی نسبتاً مضبوط اور موسم بھی خوشگوار تھا۔

حضرت مولاناؒ نے دو ہفتہ قیام سے بھرپور استفادہ کیا، صبح ناشتہ کر کے نکلتے اور شام سے قبل یا بعد از مغرب واپسی ہوتی، تقریباً ساڑھے بارہ گھنٹہ کا دن، دوپہر کا کھانا قربان کرتے، نمازیں پارکوں میں ادا کرتے، غرض جہاں جہاں پہنچ سکتے تھے گئے، میوزیم وعجائب گھر بھی دیکھے، کتب خانوں اور لائبریریوں میں بھی گئے، مطالعہ بھی کیا، اقتباسات بھی لئے، کتابیں بھی خریدیں، ساتھ ہی اپنی کتابوں کا مسودہ بھی تیار کرتے رہے۔ تبلیغی گشت بھی کیا، مساجد میں خطاب بھی کیا، لندن یونیورسٹی میں تاریخی تقریر بھی کی، جس کا ترجمہ ظفر انصاری صاحب نے تیار کیا اور ایک نو مسلم مصطفیٰ ایوان نے پڑھ کر سنایا، کیمبرج آکسفورڈ اور گلاسگو بھی گئے جہاں بعض مستشرق فضلاء سے بھی تبادلہ خیال کیا۔ اس طرح حضرت مولاناؒ کا پہلا تاریخی سفر فرانس، برلین واسپین ہوتے ہوئے ختم ہوا، جس کی پوری روداد حضرت مولانا کی کتاب ''مغرب سے صاف صاف باتیں'' میں پڑھی جاسکتی ہے۔

الحمدللہ شب و روز ساتھ رہ کر مجھے بھی خدمت و استفادہ کا موقع کافی عرصہ کے بعد ملا جس کی اس وقت خصوصاً بہت سخت ضرورت تھی اور جس کا تذکرہ حضرت مولاناؒ نے اپنی کتابوں ''مکاتیب یورپ'' اور ''کاروانِ زندگی'' میں خصوصیت سے کیا جو حضرت مولانا مرحوم کے اخلاق حسنہ، کرم فرمائی اور قدر شناسی کی جیتی جاگتی تصویر ہے اور یہی وہ وصف تھا جو حضرت مولاناؒ کی طرف ہر خاص و عام کو کھینچتا تھا کہ ہر ملنے والا یہ سوچتا کہ جو تعلق حضرت مرحوم کو اس سے ہے شاید کسی اور سے نہیں!

اپنی آپ بیتی ''کاروان زندگی'' جلد اول ص ۴۹۰ پر حضرت مولاناؒ رقمطراز ہیں:

''اکثر تجربہ ہوا ہے کہ جب تک کہیں کا سفر نہیں ہوتا، عرصہ تک نہیں ہوتا اور جب ایک مرتبہ ہو جاتا ہے تو اکثر بار بار پیش

آتا ہے۔"

یہی یورپ کے اسفار کا معاملہ ہوا کہ اگلے ہی سال اکتوبر ۱۹۶۴ء میں پھر اسلامک سنٹر جنیوا کی میٹنگ میں شرکت کے لئے مولانا محمد رابع صاحب (موجودہ ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی رفاقت میں دوسرا سفر ہوا۔ اس سفر کی خصوصیت اسلامک کلچرل سنٹر لندن کی تاریخی تقریر ہے جو مسلمان ممالک سے آئے ہوئے طلباء اور نوجوانوں کو ان کی ذمہ داری یاد دلاتے ہوئے کی گئی۔ مولانا مرحوم نے فرمایا:

"نہ میں ولی و پیمبر ہوں اور نہ بزرگی کا دعوی کرتا ہوں اور نہ ہی پیشن گوئی کا مجھے شوق ہے لیکن میں آپ کے اس اجتماع میں مستقبل کے وزیراعظم، وزیر، سربراہان ملک، سائنسدان، انجینئر و قانون داں دیکھ رہا ہوں۔ آپ کو اپنے اپنے ملک میں زمام قیادت اور بڑی بڑی ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں، آپ یہاں اس لئے ہرگز نہیں آئے کہ یہاں سے اپنے اپنے ملکوں میں جا کر طوطوں کی طرح رٹا رٹایا سبق سنائیں اور بندروں کی طرح نقلیں بنائیں، بلکہ مشرق کو اس وقت اُن بلند حوصلہ، بیباک اور جری نوجوانوں کی ضرورت ہے جو مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ملا سکیں اور کہہ سکیں کہ اے مغرب! تو نے یہاں یہاں غلطی کی اور مغرب کے اس پورے نظام سے اعلان بغاوت اور اعلان جنگ کر سکیں جو سراسر اسلام اور انبیاء کی تعلیمات کے خلاف ہے لیکن وہ لوگ جن کو صرف ایک ہی بات کہنی آتی ہو کہ اے مغرب تو نے سب صحیح کیا، وہ نہ تو مشرق کے کام کے ہیں نہ ہی امت مسلمہ کے۔ آپ

یورپ اس لئے آئے ہیں کہ یہاں علم وٹکنالوجی حاصل کرکے
مشرق ومغرب کے درمیان ایک نئیDual Carriage نہر سوئز
بنائیں جومشرق ومغرب کے درمیان مساویانہ ومشترک تبادلہ کا
ذریعہ بنے جومشرق سے ایمان و یقین وعمل صالح کی دولت
مغرب کو پہنچائے اور مغرب سے اس کے بے ضرر اور صالح
وسائل مشرق کو منتقل کرے، آپ کو اپنے ملکوں میں جا کر کہنا
چاہئے کہ مغرب سب اچھا اور ٹھیک نہیں، بلکہ مغرب کی بھی بہت
سی بیماریاں ہیں جواس کے درخت کو گھن کی طرح کھارہی ہیں،
وہ آج کس اخلاقی جذام میں مبتلا ہے، وہ اس وقت پکے ہوئے
اس پھل کی مانند ہے جوکسی وقت بھی گرسکتا ہے۔ اگر آپ نے اس
کے برخلاف کیا تو آپ اپنی اپنی قوم کودھوکا دینے والے اور تنزلی پر
گامزن کرنے والے ہوں گے۔''

اس سے ملتی جلتی تقریر تیسرے سفر میں جون ۱۹۶۹ء میں لیڈس (یارکشائر) یونیورسٹی میں عرب وہندو پاک کے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے عربی اور اردو میں علیٰحدہ علیٰحدہ ہوئی، ان تقاریر کا خلاصہ بھی یہی تھا کہ ''اگر آپ یورپ سے کچھ لے سکتے ہیں تو اس سے بہتر دے بھی سکتے ہیں فرمایا:

''آپ جن قوموں سے تعلق رکھتے ہیں ان کا ایک معیار ہے،
ایک مقصد زندگی ہے، کچھ عقائد ہیں، ان کے سامنے ایک منزل
ہے، وہ اس مغربی تہذیب پر کبھی مطمئن نہیں ہوسکتے۔ بیشک آپ
اہل مغرب سے علوم حاصل کیجئے، ان کی زبانیں سیکھئے، ان کی تاریخ
کا مطالعہ کیجئے، لیکن آپ یہ نہ سمجھئے کہ یہ امام برحق اور آخری مثال

ہیں اور انسانیت و دنیا ان کی رہنمائی کے بغیر رہ نہیں سکتی۔ اگر آپ
ایسا سمجھیں گے تو اس سے بڑھ کر آپ کا اپنے اور ان لوگوں پر جن
سے آپ کا تعلق ہے کوئی بڑا ظلم اور اپنی قوموں اور تاریخ کے ساتھ
کوئی ناانصافی نہ ہوگی۔ آپ ان کو جو دے سکتے ہیں اس سے ان کی
زندگیاں یہاں بھی کامیاب ہو سکتی ہیں اور آخرت میں بھی، جس پر
ہمارا بھی عقیدہ ہے عیسائیوں کا بھی"۔

یہ سفر بھی اسلامک سنٹر جنیوا کی دعوت پر ہوا لیکن اس کا اصل محرک حجاز مقدس میں مقیم مفتی سید امین الحسینی (مفتی فلسطین) کا اصرار تھا کہ مولاناؒ اپنی آنکھوں کا معائنہ لندن میں کرائیں۔ اس سفر میں بھی مولاناؒ برمنگھم، مانچسٹر، بلیک برن، شیفیلڈ، لیڈس وڈیوز بری گئے۔ برمنگھم کے ایک جلسہ میں جو ایک بڑے ہال میں منعقد کیا گیا تھا علماء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"آپ یہاں نئے ملک میں یہاں کے لوگوں کی رہنمائی
ایک اجنبی ملک نئے ماحول وحالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کریں
اور ہندوپاک کی بریلوی و دیوبندی کشمکش کو یہاں ہوا نہ دیں، اگر
آپ کو یہاں بھی وہی کرنا ہے جو اپنے ملکوں میں کرتے آئے
ہیں اور صرف اسی میں دلچسپی ہے تو یہ نیا ملک آپ کے قیام کے
لئے مناسب نہیں، آپ یہاں سے فوری اپنے ملک واپس
جائیں اور ضرورت ہو تو کرایہ میں ہم آپ کی مدد کر سکتے ہیں"۔

کاروان زندگی حصہ دوم صفحہ ۳۷۵ پر مولانا لکھتے ہیں:

"سالہا سال سے میری یہ تمنا تھی اور کبھی کبھی اس کے لئے
دعا بھی کرتا تھا کہ کبھی کوئی ایسا موقع آئے کہ مغرب کے ممتاز

دانشور کہیں مجتمع ہوں اور مجھے ان کے سامنے مغربی تہذیب،
فلسفہ زندگی اور عالم انسانی کی اس فکری تہذیبی اور اخلاقی قیادت
کی ناکامی پر جو تقدیر سے ان کے ہاتھ میں آگئی ہے آزادانہ اپنے
خیالات کے اظہار کا موقع ملے اور ان کے سامنے وہ حقائق رکھ
سکوں جن کے سننے کی نوبت ان کو سالہا سال تک نہیں آتی اور
ان کا احساس برتری ان پر غور کرنے کا موقع نہیں دیتا۔''

حسن اتفاق بلکہ من جانب اللہ ان کو یہ موقع یہاں کی سب سے بڑی پرانی اور مایہ ناز تعلیم گاہ آکسفورڈ یونیورسٹی نے فراہم کر دیا، یونیورسٹی کے صاحب فکر ریسرچ اسکالر اور علی گڑھ کے ایک بڑے باپ کے ہونہار طالب علم ڈاکٹر فرحان نظامی جوان دنوں آکسفورڈ یونیورسٹی میں اپنے تحقیقی مقالہ کی تکمیل کر رہے تھے کی تحریک اور مساعی پر یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد نے یونیورسٹی کے زیر اثر ایک اسلامی سنٹر کے قیام کا فیصلہ کیا اور اس کی تاسیس، مقاصد و دستور العمل کی ترتیب وتشکیل میں مدد دینے کے لئے بعض ماہرین تعلیم، فضلاء و دانشوروں کو دعوت دی جن میں مولانا مرحوم سرفہرست تھے۔ مولانا اس دعوت پر لبیک کہہ کر جولائی ۱۹۸۳ء میں لندن اور پھر وہاں سے آکسفورڈ پہنچے دوسرے عمائدین بھی پہلے پہنچ چکے تھے اور تین چار دن کی مسلسل میٹنگوں کے بعد آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز کے نام سے ایک نیا ادارہ وجود میں آیا جس کی سربراہی کا اعزاز بھی لکھنؤ اور آکسفورڈ کی دوری کے باوجود حضرت مولاناؒ کو قبول کرنا پڑا۔ آخری دن آکسفورڈ کے اساتذہ، طلباء اور دیگر فضلاء و دانشوروں کی ایک مجلس میں مولانا مرحوم کی وہ تمنا بھی پوری ہوئی اور ''اسلام و مغرب'' کے نام تیار کردہ مقالہ پڑھا گیا۔ آکسفورڈ سے فارغ ہو کر مولاناؒ اپنے رفیق سفر اور آئندہ ہونے والے

جانشین مولانا محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ کے ہمراہ انگلستان کے اپنے مستقل مستقر اور ندوی اکیڈمی کے موجودہ و عارضی مسکن پر لندن تشریف لائے اور ہمیں پھر چند دن ساتھ رہنے خدمت کرنے اور استفادہ کا موقع ملا۔ نئے سنٹر کی سربراہی نے مولانا مرحوم کے اسفار کا دروازہ کھولا لیکن ان اسفار میں نہ وہ ہماہمی رہی نہ وہ پلاننگ جواب تک کے سفروں میں ہوا کرتی تھی۔ اب قویٰ کا اضمحلال شروع ہو گیا تھا آنکھوں کے کئی آپریشن میں ہسپتالوں کے ہفتوں قیام، سفروں کی بہتات، تصنیفی کام میں گھنٹوں بیٹھنے کی وجہ سے پیٹ کا نظام بگڑ رہا تھا، ہندو پاک چپقلش، ہندوستانی مسلمانوں پر حکومت کی زیادتیاں اور دنیا میں ہر طرف مسلمانوں کی بدحالی اور ان پر زیادتیوں کی فکر نے صحت پر بھرپور اثر کیا تھا جس کی وجہ سے ان سفروں میں کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ ڈاکٹر فرحان نظامی صاحب کے بار بار اصرار پر آتے، سنٹر کی میٹنگوں میں شرکت کرتے، اور واپس ہو جاتے، اکثر یہاں کے سفروں کو یورپ و مشرق وسطی کے سفروں سے ملا لئے، چنانچہ ۱۹۸۳ء کے بعد ۱۹۹۶ء میں تشریف لائے اور یہاں سے فارغ ہو کر الجزائر کے ملتقی الفکر الاسلامی میں شرکت کر کے عمرہ کرتے ہوئے براہ کویت واپس وطن پہنچے۔ اگست ۱۹۸۷ء میں باوجود ضعف و علالت پھر تشریف لائے، لیکن اس سفر کا فائدہ یہ ہوا کہ ماہر معالجین سے امراض کی تشخیص کرانے کا موقع ملا اور حضرت مولاناؒ نے آکسفورڈ کے گرد و نواح سے جمع ہوئے طلباء، اساتذہ و دیگر دانشوروں کے سامنے "صحیح علم کی اشاعت و ترقی اور اس کے ذریعہ سے انسانیت کی رہنمائی اور اصلاح میں اسلام کا تاریخی کردار" کے عنوان پر اپنا مقالہ پڑھا۔

اگست ۱۹۸۹ء میں استنبول میں رابطہ ادب اسلامی کی طرف سے جس کے صدر حضرت مولاناؒ تھے "بچوں کے لئے اسلامی ادب" کے عنوان پر ایک عالمی

کانفرنس میں شرکت کے بعد یہاں تشریف لائے سنٹر کے بورڈ آف ٹرسیٹز کی میٹنگ میں شرکت کی۔ سلمان رشدی کی ننگ اسلام کتاب کا دل و دماغ پر بہت زیادہ اثر تھا ''انسانیت کے محسن اعظم اور شریف و متمدن دنیا کا اخلاقی فرض'' کے عنوان پر ایک مقالہ پڑھا جو بعد میں ایک رسالہ کی شکل میں اردو اور انگریزی میں چھپا۔ ستمبر ۱۹۹۱ء میں آکسفورڈ سنٹر کو مولاناؒ کے استقبال کی سعادت پھر ملی لیکن بہت ہی مختصر قیام کے بعد واپسی ہوگئی۔ ستمبر ۱۹۹۲ء میں پھر تشریف لائے اور آکسفورڈ سنٹر کی انتظامیہ کی میٹنگوں میں شرکت کی جس میں امام بخاریؒ کی آخری آرام گاہ سے متصل ایک شایان شان یادگار مسجد و مدرسہ کے قیام کا فیصلہ ہوا۔

رابطہ ادب اسلامی کی مؤتمر اور ہیئۃ عامہ کے اجلاس منعقدہ استنبول میں شرکت کر کے ۲۸ راگست ۱۹۹۳ء کو پھر تشریف لائے سنٹر کی میٹنگوں میں شرکت کی، لندن میں مختصر قیام میں ہماری نو تعمیر مسجد نارتھ لندن سنٹرل ماسک میں جمعہ پڑھا اور مسجد کی افتتاحی تقریر کی اور بعد مغرب شکاگو (امریکہ) میں تمام مذاہب پر ہونے والی کانفرنس میں شرکت کے لئے روانہ ہوگئے۔ سوئے اتفاق پروازوں کے ہیر پھیر کی وجہ سے کانفرنس میں شرکت نہ کر سکے لیکن اس موقع کے لئے لکھا گیا مقالہ جو وہاں موجود تھا پڑھا گیا۔ مولانا کو اس کانفرنس میں شرکت کا پہلے ہی تردد تھا لیکن معلوم ہو کہ وہ کانفرنس نہیں مذہبی مشاعرہ تھا جس میں آخر میں ڈانس بھی ہوا مدعونین نے شریک نہ ہونے پر شکر ادا کیا ورنہ انہیں بھی بڑی شرمندگی ہوتی۔

۲۷ راگست ۱۹۹۴ء کو پھر تشریف آوری ہوئی اس مرتبہ آکسفورڈ سنٹر کے علاوہ رابطہ ادب اسلامی کا جلسہ بھی یہیں طے پایا تھا جس میں ادب اسلامی اخلاق آموز، اور خادم انسانیت ادب پر مقالے پڑھے گئے اور ایک نشست ادبی مشاعرہ

کی بھی ہوئی، یہ آکسفورڈ کے ٹرسٹیوں کی میٹنگ میں بحیثیت ٹرسٹی آخری میٹنگ تھی۔ یہاں سے فارغ ہو کر رابطہ عالم اسلامی کی ایک اہم میٹنگ میں شرکت کر کے مراکش کے شہر وجدہ میں ایک کانفرنس میں شرکت کر کے وطن واپس ہو گئے۔

اب حضرت مولاناؒ کے آخری سفر کی ساعت آ گئی تھی لیکن یہ آخری سفر آکسفورڈ سنٹر آف اسلامک اسٹڈیز کی مجلس انتظامیہ میں شرکت کے بجائے جامعۃ الہدیٰ نوٹنگھم کے عملی افتتاح کے لئے اس کے روح رواں مولانا رضا الحق صاحب کی دعوت پر ہوا۔

۸ - ۹ر اور ۱۰ر اگست ۱۹۹۶ء کی تاریخوں میں رابطہ ادب اسلامی کے ذمہ داروں نے حضرت مولاناؒ کے اعزاز، ان کی تحریر و تالیف کے تعارف و تبصرہ کے لئے استنبول میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا تھا جس میں عالم اسلام، رابطہ ادب اسلامی کے سارے ہی جید، نامور مفکر اُدباء، علماء، وفقہاء کی شرکت یقینی تھی۔ اس جلسہ میں شرکت کر کے ۱۳ر اگست ۱۹۹۶ء قبل از مغرب لندن ہیتھرو ائیرپورٹ پر پہنچے وہاں سے سیدھے سنٹر کے ڈائرکٹر جناب فرحان نظامی اور رجسٹرار ڈاکٹر براؤننگ کی کار میں آکسفورڈ تشریف لے گئے دو روز وہاں قیام کر کے نوٹنگھم آ گئے وہاں قرب و جوار میں پروگرام ہوئے جن میں اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر کا پروگرام سرفہرست رہا۔

۱۷ر اگست ۱۹۹۶ء بروز سنیچر بعد ظہر حسب پروگرام جامعۃ الہدیٰ کی افتتاحی تقریر ہوئی جس میں جامعہ کے مقاصد اور ضرورت، اہمیت، اسلوب و طریقۂ کار پر پُر مغز انداز میں روشنی ڈالی گئی۔ تھوڑی دیر آرام کر کے بعد عصر لندن کے لئے روانہ ہوئے اور رات قیام کر کے صبح حجاز مقدس تشریف لے گئے۔

قلم رکتا ہے لیکن حقیقت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، ایک وقت آنا تھا ہر چیز کا وقت مقرر و معین ہے اور یہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

کا آخری سفر تھا جو پہلے سفر سے تقریباً ۳۳ برس بعد ہوا۔ اس کے بعد آخری ملاقات کا آنا تھا جو ۲؍اگست ۱۹۹۹ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں ہوئی جس میں فالج سے افاقہ کے باوجود صحت بہت ہی کمزور پائی اور اندازہ ہوا کہ ۸۵ سالہ یہ پیر و مرشد و مربی جو لقائے رب کا وظیفہ ہر وقت گردانتا رہتا ہے جلد ہی داغ مفارقت دے جائے گا اور وہ ساعت آنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ رمضان المبارک کے ۲۲ ویں دن قبل نماز جمعہ پوری تیاری کے ساتھ سفر آخرت پر حسب معمول سورہ کہف و پھر سورۃ یٰسین کی آیت "فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ" پڑھ کر روانہ ہو گیا۔ اور پوری صدی جس کی ملاقات اور تلاش و جستجو میں سارے براعظموں میں دن و رات بحری، برّی و فضائی اسفار میں رواں دواں رہا اس کے یہاں بار آوری پا گیا اور ہم اس کی جدائی میں آنسو پوچھتے رہ گئے۔ع

آسمان اُن کی لحد پر شبنم افشانی کرے

اور یہ دن اس صدی کا بھی آخری دن یعنی ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء تھا۔

پچاس سال قبل لڑکپن میں جس انداز سے تعلق قائم ہوا تھا اسی نہج پر آخری دن تک رہا وہی شفقت وہی ہمدردی وہی بے تکلفی وہی اپنائیت وہی نوازش وہی کرم وہی عنایات وہی خوشی وہی سرور و فرحت آخری ملاقات تک ہو۔ وفات سے چند ہی ماہ قبل ہوئی تحریر و تقریر نشست و برخواست میں قائم رہا اور یہ سب زبانی جمع خرچ نہیں تھا بلکہ وقتاً فوقتاً ہدایا سے بھی نوازتے جو آج بھی میرے پاس یادگار کے طور پر تبرکاً موجود ہیں۔ بس حضرت مولاناؒ کا یہی مخصوص اپنائیت سے لبریز اسلوب اور طریقہ تخاطب مرتب کتاب ہٰذا جناب ڈاکٹر مولوی محمد اکرم صاحب ندوی مدظلہ العالی کی توجہ کا باعث بنا کہ ندوی اکیڈمی ارمغانِ فرنگ پیش کرنے میں کامیاب ہو رہی۔

ہر سفر سے واپسی پر مستقر لکھنؤ پہنچنے کی اطلاع بذریعہ ڈاک دیتے اور جیسا کہ آپ اگلے صفحات میں پڑھیں گے ہر خط اپنے انداز میں علیحدہ اور اچھوتا ہوتا۔ بینائی کی کمزوری کے باوجود نہ صرف خط کا متن بلکہ پتہ بھی اپنے ہی قلم سے تحریر فرماتے۔ اسی طرح پچھلے کئی سالوں سے ٹیلیفون کی سہولیت مہیا ہو جانے کے باعث مہینہ میں کم از کم ایک مرتبہ سلام کرنے کی کوشش کرتا۔ مستقر پر اگر موجود ہوتے بے تابی سے ٹیلیفون لے کر فرماتے ''ہم بھی تمہاری آواز سن کر مسرور ہوئے'' پھر گھر والوں کی خیریت پوچھ کر دعائیں دیتے۔ انگلستان کے جانے والوں کی خیریت پوچھتے اور سلام پہنچانے کی تلقین کرتے۔ لکھنؤ آنے کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ''تمہیں اپنا وطن یاد نہیں آتا'' اور یہ سلسلہ قبل از رمضان المبارک جاری رہا۔ رمضان المبارک میں چونکہ رائے بریلی قیام رہتا تھا اس لئے حسب معمول عید الفطر کا انتظار کر رہا تھا لیکن اس سے پہلے ہی یہ سلسلہ منقطع ہو گیا کہ وہاں تشریف لے گئے جہاں کسی طرح بھی رسائی نہیں۔

یہاں تک جو لکھا گیا وہ میرے ذاتی تعلقات، مشاہدات، تجربات، جذبات و خطوط کی عکاسی تھی اب حضرت مولاناؒ کی ذات و کمالات پر چند سطریں لکھی جاتی ہیں چند اس لئے کہ اس سلسلہ میں لکھنا حضرت مرحوم کی حیات ہی میں شروع ہو گیا تھا وفات کے بعد سے برابر لکھا جا رہا ہے، لکھا جاتا رہے گا اور اب بھی لوگ حضرت مولاناؒ پر ریسرچ کر کے ڈاکٹریٹ حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور عنقریب ہی علامہ ندوی اکیڈمی کے معتمد عام ڈاکٹر محمد اکرم ندوی حضرت مولاناؒ کی سیرت و کمالات پر مبنی اپنی جامع کتاب منظر عام پر لانے والے ہیں۔ جو اکیڈمی اور حضرت مولانا مرحوم سے تعلق رکھنے والوں کے لئے ایک سرمایہ ہوگی۔ سردست ہم یہاں عصر حاضر کی جانی مانی شخصیت عظیم، خطیب و فقیہ، محقق

وصاحب تصنیف حضرت العلامہ الشیخ محمد یوسف القرضاوی مدیر کلیة الشریعة الإسلامیة قطر کے ایک تعزیتی پیغام بعنوان ''ربانی الامة و داعیة الإسلام العلامة ابوالحسن الندوي في ذمةالله'' کے چیدہ چیدہ اقتباسات پر اکتفاء کرتے ہیں۔فرماتے ہیں:

''علمائے اسلام میں بڑی شخصیتوں نے امسال داغ مفارقت دیا اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ اور سب سے افضل دن جمعہ کے روز شمسی تاریخ کے آخری مہینہ میں جب کہ اکثر لوگوں کے نزدیک دوسرا ہزارہ ختم ہو رہا تھا باوضو نماز جمعہ سے قبل اسی کی تیاری اور انتظار میں اور حسب معمول سورۃ کہف کی تلاوت کرتے ہوئے عالم اسلام کی عظیم شخصیت داعی الی اللہ، ربانی امت علامہ دوراں، عربی النسل، حسنی النسب، ہندی نژاد شیخ الامت داعی الی الخیر الشیخ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ نے بھی اس جہاں فانی کوالوداع کہا۔ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں اور نہ ہی ان چند صفحات میں ان کی زندگی کے کارناموں اور نقوش کو شمار کیا جاسکتا ہے۔ہم اس امام ربانی، اسلامی، قرآنی اور محمدی شخصیت کے بارے میں اپنا درد کیوں نہ سنائیں جبکہ وہ میرے بھائی، شیخ اور محبوب تھے۔

میں نے ان کو بھائی کہا کیونکہ سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ جو صاحبِ علم ہو باعمل ہو، اسی کے ساتھ وہ لوگوں کو تعلیم بھی دیتا ہو وہ ربانی ہے، انہوں نے اپنی کتاب ''ربانية لا رهبانية'' میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے جس سے انہوں نے خالصۃ لوجہ اللہ تصوف

وسلوک مراد لیا ہے جو تمام بدعات وخرافات اور عقائد وسلوک کے غلو سے پاک ہے۔اسی طرح انہیں اسلامی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ہی ان کا گوشت پوست تھا وہی ان کا اوڑھنا، بچھونا، وہی ان کا اول وآخر مبتدا ومنتہا، اسی کے لئے وہ جیتے تھے اور اس کے لئے مرنے کا حوصلہ رکھتے تھے اور خدا سے مدد چاہتے اور لو لگاتے تھے، غصہ بھی اسی کے لئے ہوتے محبت بھی اسی کی خاطر کرتے، تصنیف وتالیف بھی اسی دین کے غلبہ کے لئے کرتے، درس ومحاضرہ کا مشغلہ بھی اسی کی خاطر اپناتے تھے۔غرض وہ اسلام ہی کے لئے جیتے تھے اور اسی کے لئے تڑپتے اور مرتے تھے، اور اسلام ہی ان کی رَگ وپے میں سرایا ہوا تھا۔ میں نے مرد قرآنی اس لئے کہا کیونکہ قرآن مجید اُن کا سرچشمہ تھا اسی سے وہ مدد لیتے اسی کے عشق میں ڈوبے ہوئے تھے اسی کی تلاوت کرتے اور لطف اندوز ہوتے، اسی کی آغوش میں پناہ لیتے اور چلتے، آیات کی تلاوت کرتے اور ان پر غور کرتے اور ان کے لعل وجواہرات ڈھونڈتے، اس کے باریک معنی و مفاہم کو اپنے محاضرات، کتابوں اور رسالوں میں ایک مفکرانہ و مدبرانہ فہم اور ایک بے چین ومتاثر دل کے ساتھ پیش کرتے۔اس طرح وہ صحیح معنوں میں ایک مردِ قرآں تھے۔ان کو محمدی کہنے سے مراد صرف یہ نہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی نسل اور ہاشمی حسنی خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔نہ جانے کتنے حسنی وحسینی ہیں جن کے کردار ان کے نسب کو مشتبہ کرتے ہیں۔ میرا مطلب صاف صاف یہ ہے کہ

انہوں نے نبی اکرم صلعم کو اپنے تمام طور وطریق، سلوک زندگی و طرز حیات میں اسوہ اور نمونہ بنایا تھا اور آپ صلعم کی سیرت ہی کو اپنے لئے چراغِ راہ اور روشنی کا معیار بنایا تھا۔ خواہ وہ زہد وتقوی، عبادات وریاضات ہو، زندگی کے جھمیلوں اور اس کی زیب وزینت وآسائش سے کنارہ کشی کا معاملہ۔ وہ اس دور میں بھی سلف کی زندگی گزارتے تھے انہیں دیکھ کر سلمان فارسیؓ اور ابودرداء کا گمان ہوتا تھا۔ میں نے انہیں بھائی اس لئے کہا کیوں کہ ہم دونوں کو اسلام کی اخوت ایک دوسرے سے مربوط کئے ہوئے ہے۔

میں نے ان سے بعض کتابیں پڑھی اور فائدہ اٹھایا ہے اور اپنی اکثر کتابوں میں ان کے حوالے دیئے ہیں اس طرح وہ میرے لئے استاد و شیخ بھی ہوتے ہیں ان کی کتابوں کا ایک علیٰحدہ لطف ہے اور ان کی ایک متعین فکر ہے جو ہر جگہ نظر آتی ہے۔ معاصر داعیوں اور مفکروں میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس نے شیخ کی کتابوں سے استفادہ نہ کیا ہو اور ان سے اقتباسات نہ لئے ہوں۔

شیخ نے جب ۱۹۵۱ء میں مصر کا سفر کیا تو میں نے باقاعدہ ان سے استفادہ کیا اور ان کی شاگردی اختیار کی اسی طرح بعد کی ملاقاتوں میں یہ سلسلہ جاری رہا سچ یہ ہے کہ شیخ اپنی حرکت وعمل سکون و خاموشی اور گفتگو و مذاکرہ میں ایک آئیڈیل اور نمونہ انسان تھے۔“

ڈاکٹر شیخ القرضاوی کے اس تجزیہ کے بعد بھی حضرت مولاناؒ کی ذات

وصفات پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لکھا جا رہا اور لکھا جائے گا۔ اس لئے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ خود ایک صدی اور اپنے وقت کے مجدد تھے جس میں لکھنے اور تجزیہ کرنے کے لئے اسی قدر وقت درکار ہوتا ہے، فی الحال ہم اسی پر اکتفاء کر کے آگے بڑھتے ہیں۔

اور اب کچھ اپنے فاضل مرتب کے متعلق جن کی خصوصی توجہ فکر و مستعدی کے بغیر نہ مجھے لکھنے کا موقع میسر آتا اور نہ ہی کتاب ہمارے ہاتھوں میں ہوتی۔ ڈاکٹر مولوی محمد اکرم صاحب ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل نرے ندوی نہیں۔ ایک محقق اور لکھنؤ یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف فلاسفی (P.H.D.) کے سند یافتہ بھی ہیں۔ مولوی محمد اکرم ندوۃ العلماء کے صاحب صلاحیت اور ہونہار طلباء اور اساتذہ میں سے ہیں جنہوں نے حضرت مولاناؒ کو نہ صرف قریب سے دیکھا بلکہ بالواسطہ اور بلاواسطہ سبق بھی پڑھا فائدہ اٹھایا اور مجلسوں اور صحبتوں سے استفادہ کیا اور جنہیں حضرت مولانا مرحوم کی نگاہ انتخاب نے ندوہ سے اٹھا کر آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز میں پہنچا دیا جہاں وہ گزشتہ کئی سال سے تنظیمی و تشکیلی سرگرمیوں میں مشغول ہیں۔ ڈاکٹر محمد اکرم اپنی ذات میں خود محقق، مفکر اور داعی نیز تصنیف، تالیف کے میدان میں ایک مقام رکھتے ہوئے کئی کتابوں کے مصنف ہیں ان کی کئی کتابیں بیروت و دمشق میں چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ان کا تیار کردہ عربی مدارس کے لئے نصاب تعلیم کافی مقبول ہوا ہے۔ اور آج کل دمشق ہی کے ایک ادارہ کے اصرار پر حضرت مولانا مرحوم پر ایک جامع کتاب تیار کرنے میں مشغول ہیں۔ آکسفورڈ سنٹر سے منسلک ہوتے ہوئے بھی وہ یہاں کے کئی مدرسوں اور دارالعلوموں میں اعزازی استاد کی حیثیت سے اسباق کے ذمہ دار ہیں۔ امید ہے انگلستان و یورپ والے ان کی صلاحیت سے فائدہ

اٹھائیں گے۔

آخری میں کچھ علامہ ندوی اکیڈمی کے متعلق جسے اپنی پہلی کتاب اسی شخصیت کے خطوط وتقاریر مشتمل شائع کرنے کا شرف حاصل ہورہا ہے جس کے نام کی نسبت سے یہ ۲۰۰۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ حضرت مولاناؒ کی وفات پر ملال پر اس سے پیدا ہونے والے خلاء کو دنیا کے تقریباً ہر گوشہ میں محسوس کیا گیا تھا اور چھوٹے بڑے شہر میں تعزیتی اجلاس وسمینار ہوئے تھے۔ انگلستان کے کئی شہروں میں بھی تعزیتی جلسے ہوئے تھے۔ اسلامک کلچرل سنٹر لندن NW8 جس میں حضرت مولاناؒ نے تقریباً ہر سفر میں حاضری دی تھی اور تقاریر ومحاضرات کئے تھے، کے ائمہ، ذمہ داروں اور خصوصاً مصری نژاد ڈاکٹر شیخ انس ابوشاوی ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل نے بھی اس حادثہ جانکاہ کا بڑا اثر لیا اور جنوری ۲۰۰۰ء کی ایک ملاقات میں سنٹر کی طرف سے ایک تعزیتی جلسہ کا عندیہ دیا اور ذمہ داری مجھ پر سونپی۔ ڈاکٹر فاطمہ اَمر کی سربراہی میں ایک مختصر کمیٹی نے پوری تیاری کے ساتھ ایک نصف روزہ تعزیتی سمینار کا اہتمام کیا جو ۲۵/ مارچ ۲۰۰۰ء کو سنٹر کے وسیع لائبریری ہال میں ڈاکٹر مناظر احسن ڈائرکٹر اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر کی صدارت میں بعد ظہر شروع ہوا اور مغرب تک جاری رہا جس میں حضرت مولانا کے معتقد، عوام خواص علماء و دانشوروں نے شرکت کی۔ بعد عصر چائے کے وقفہ میں بعض احباب نے حضرت مولانا کے مشن وفکر کو اس ملک میں جاری رکھنے کے لئے ایک مستقل ادارہ کے قیام پر زور دیا چنانچہ سیمنار کے اختتام پر اس تحریک کی سبھی نے حمایت کی جس پر کام شروع ہوا اور یہ ادارہ مختلف مراحل ورکاوٹ عبور کرتا ہوا گذشتہ سال برطانیہ کے چیرٹی ایکٹ ۱۹۶۰ء کے تحت رجسٹرڈ ہوا جس کے مقاصد میں سرفہرست The Advancement of Islam, in particular the study of the works

درج ہے، جس کے حصول کے لئے ایک سنٹرل لائبریری کا قیام، سال کی بہترین کتاب پر انعام، ریسرچ اسکالرس کے لئے ایک وظیفہ، حضرت کی کتابوں کا یہاں کی لائبریریوں میں فراہم کرنا اور مولانا مرحوم کے مشن کو جاری ساری رکھنے کی تجاویز شامل ہیں جن پر سست رفتاری سے کام شروع ہو گیا ہے ساتھ ہی ہر سال ایک میموریل لکچر کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ انشاء اللہ اکیڈمی اپنی منزل کے لئے رواں دواں رہے گی اور جلد نتائج برآمد شروع ہوں گے۔

آخر میں تمام احباب کا جنھوں نے اس کتاب کی تیاری وطباعت اور اکیڈمی کے قیام و تشکیل میں جو بھی جد وجہد کی، کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے رسمی نہیں بلکہ تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اللہ عزوجل ہر شخص کی تمام کوششوں کو قبولیت کا درجہ عطا فرمادیں۔ آمین

مسرور احمد

صدر علامہ ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی - لندن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نظر کتاب عزیز مکرم مولانا محمد اکرم ندوی مقیم آکسفورڈ نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے مرتب کی ہے جو مغربی دنیا میں اپنے اسفار کے دوران انہوں نے دنیائے مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے جو رائے قائم کی اور اپنی بے تکلف مجالس میں اظہار رائے کیا ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اسفار ۱۹۶۳ء سے شروع ہوئے، اور کبھی کبھی ناغے ہونے کے ساتھ تقریباً ہر سال کم از کم ایک یا دو بار جانا ہوتا تھا، شروع میں جنیوا کے اسلامی سینٹر کے لئے، پھر آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے اسلامی سینٹر کے ٹرسٹی بورڈ کے جلسہ میں شرکت کے لئے جس کے وہ چیرمین منتخب ہوئے تھے، مولانا کا یہ تعلق ان کے وصال تک قائم رہا، سینٹر کے ان اجتماع کے موقع پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ سینٹر کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فرحان نظامی کی قیام گاہ میں جو ہندوستان کے

عظیم مؤرخ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے فرزند ہونے کی بناء پر حضرت مولانا سے عزیز خورد جیسا تعلق رکھتے تھے، قیام فرماتے، اس دوران ان کے والد پروفیسر صاحب کا بھی قیام وہیں رہتا تھا، اور وہ بھی سینٹر کے ٹرسٹی ہونے کے تعلق سے ہر سال اس اجتماع میں شریک ہوتے تھے، اور صاحبزادہ کی قیامگاہ ہونے کی وجہ سے ان کا قیام مزید مدت تک ہوتا تھا، دونوں اصحاب علم کے جمع ہو جانے سے روزانہ ایک علمی مجلس کا انعقاد ہو جاتا، جس میں دونوں حضرات کے درمیان علمی موضوعات و واقعات پر اظہار رائے ہوتا، جو دونوں کے لئے علمی تفریح ہوتی، اور حاضرین کے لئے جو دونوں کے خورد اور علمی خوشہ چیں ہوتے علمی استفادہ کا سامان ہوتا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یورپ کے ان اسفار سے قبل ہی اپنی طالب علمانہ، پھر اپنی شروع کی تدریسی زندگی میں یورپ کی اخلاقی، سیاسی اور معاشرتی تاریخ کا مطالعہ کر رکھا تھا، اور مغرب و مشرق کے مابین تہذیبی و تمدنی فرق اور دونوں کے مابین اختلاف و فرق سے جو پیچیدگی پیدا ہوئی اس کو صرف سمجھا ہی نہیں تھا بلکہ اس پر مضامین اور کتابیں لکھی تھیں، جن میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان پہلوؤں کو ابھارا اور پیش کیا جو عام طور پر ہمارے علمائے دین کے مطالعہ و واقفیت میں نہیں تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ان مضامین و تصنیفات میں بہت ہی حق پسندانہ اور دانش مندانہ اظہار رائے کیا، وہ مغرب و مشرق کے مابین جو الجھاؤ پایا جاتا ہے اس کو واضح کرتا ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پھر مغرب کا بار بار سفر کر کے وہاں کی عملی صورت حال اور اس کے پس منظر کو مزید سمجھا، اس طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی پہلے سے قائم کردہ رائے میں مزید تقویت حاصل ہوئی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ان آراء اور تبصروں کو علمی تناظر میں تو مولاناؒ کی تصنیفات ہی میں دیکھا جا سکتا ہے، لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بے تکلف

مجالس میں جو بے تکلف باتیں کیں، یا مغربی اسفار کے دوران جو خطوط اپنے ہندوستانی عزیزوں کو لکھے، اوران میں اپنے مشاہدات کا ذکر کیا، اور وہ خطوط جو مغربی ممالک میں مقیم اپنے دوستوں کو ہندوستان سے لکھے وہ بھی ثقافتی دلچسپی رکھنے والوں کے لئے دلچسپی بلکہ افادیت کے حامل ہیں، مولانا محمد اکرم ندوی صاحب کوکئی سال یہ فائدہ حاصل رہا کہ وہ آکسفورڈ اسلامی سینٹر کے دفتر میں ایک رکن ادارہ ہونے کے تعلق سے وہاں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ان بے تکلف مجالس میں بار ہا شریک رہے، اورانہوں نے اپنے طور پر ان میں سے متعدد موقعوں کو قلم بند بھی کیا، اب جب کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو چکا ہے انہوں نے چاہا کہ ان کو شائع کر دیں تا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر محبین کو بھی ایک دلچسپی اور فائدہ کی چیز حاصل ہو جائے۔

مولانا محمد اکرم ندوی صاحب ندوۃ العلماء کے فاضل اور کئی سال مدرس رہنے کے بعد آکسفورڈ گئے، اور اسلامک سینٹر کے دفتر میں علمی رکن کی حیثیت سے علمی کام انجام دیتے ہیں، اہل دین کے علمی ماحول (ندوۃ العلماء) میں رہ کر پختہ کار و پختہ ذہن ہونے کے بعد مغربی دنیا میں وقت گذار رہے ہیں، وہاں کے نشیب و فراز اور خصوصیات سے واقفیت حاصل کر چکے ہیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن وفکر کو اچھی طرح سمجھے ہوئے بلکہ اس کے خوشہ چیں ہیں، علوم دینیہ و عصریہ نیز زبان وادب میں اچھی صلاحیت کے مالک ہیں، اور کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ لہذا ان کا یہ انتخاب اور ترتیب اپنی جگہ بڑی افادیت کی حامل ہے۔ امید ہے کہ اس سے مولاناؒ کے فکر وخیال کی ایک عکاسی سامنے آئے گی، اور قارئین کے لئے دلچسپی وافادیت کی حامل ہوگی۔

مولانا محمد اکرم صاحب کی فرمائش ہوئی کہ میں اس پر چند تعارفی الفاظ

تحریر کردوں، ان کی خاطرداری میں میں نے یہ فرمائش قبول کی، جو مذکورہ بالا الفاظ کے ذریعہ پوری کررہا ہوں، اللہ تعالیٰ ہمارے ہر کام کو اپنی مرضی کا تابع بنائے، اور قبول فرمائے۔

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۹/۲/۱۴۲۵ھ
۱۰/۴/۲۰۰۴ء

دیباچہ

الحمد للہ رب العالمین، والصّلاۃ والسّلام علی رسولہ محمد النبی الأمین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عالم اسلام کے نامور داعی، مشہور مصلح، بلند پایہ مفکر، دقیق النظر عالم، عظیم مؤرخ اور صاحب طرز ادیب تھے، اپنی زندگی مسلم بیداری، اسلام کی عظمت رفتہ کی بازیابی، عالم اسلام کی نہضت، اور ہندوستانی مسلمانوں کی اصلاح کے لئے وقف کردی تھی، آپ تجدید واصلاح کے اس عظیم سلسلہ کی اہم کڑی تھے جس کی ابتدا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتی ہے، اور جس کے نمایاں افراد میں امام ابن تیمیہؒ اور پھر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تھے۔

حضرت مولانا کی زندگی کا محور اسلام تھا، عالم اسلام کے ماضی، حال اور مستقبل پر آپ کی نظر تھی، آپ نے امت مسلمہ کی پستی اور زبوں حالی کے بارے میں ٹھنڈے دل سے غور کیا، اور عام روش سے ہٹ کر مسلمانوں کے حال و مستقبل کو ان کے تابناک ماضی سے مربوط کرنے کی عدیم المثال کوشش کی، کسی قسم کی مرعوبیت کے بغیر پوری ہمت و جرأت سے اسلام کے خالص اور بے آمیز پیغام کو عام کرنے کی ایک روشن راہ نکالی:

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم   حدیث عشق بیباکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکان امت   ترا باشوخی رندانہ گفتم (۱)

اس مجدد عصر نے علوم اسلامیہ، تاریخ اسلام، بلکہ تاریخ اقوام کے وسیع وعمیق مطالعہ کے ساتھ مغربی فلسفہ وفکر اور تہذیب وتمدن، اس کے بنیادی عناصر اور مزاج سے گھری واقفیت پیدا کی۔

خرد افزود مرا درس حکیمانہ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں

آپ انسانیت کے مابین مشرق ومغرب کی مصنوعی تقسیم کے قائل نہیں تھے، نہ آپ کو قدیم وجدید کے قصہ سے کوئی دلچسپی تھی، آپ حقیقت کو ناقابل تقسیم اکائی سمجھتے تھے۔

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ قدیم و جدید

آپ کے اس وسیع وعمیق مطالعہ، اور جامعیت نے آپ کو بلند اسلامی فکر عطا کی جوانسانوں کی خودساختہ حد بندیوں سے ماوراہے، یہی وجہ ہے کہ ہر مسلک اور ہر ملک کے مسلمان بلاکسی تفریق کے آپ کی فکر کی گہرائی اور گیرائی پر متفق اور فریفتہ ہیں۔

یورپ ومغرب سے آپ کی واقفیت بچپن سے ہے، آپ نے زندگی کا بڑا حصہ انگریزوں کے زیر تسلط ہندوستان میں گزارا، یورپ آنے سے پہلے آپ یورپ سے واقف تھے۔ آپ کا پہلا سفر یورپ ۱۹۶۳ء میں ہوا، اور اس کے بعد

---

(۱) علامہ اقبال کے ان دونوں شعروں کا ترجمہ ہے: نہ میں نے ساقی کی بات کہی، نہ پیمانہ کی، بیباکی کے ساتھ حدیث عشق بیان کردی، سلف صالح سے جو کچھ سنا اسے شوخی رندانہ کے ساتھ بیان کردیا۔

مسلسل مغربی ممالک کے اسفار ہوتے رہے، برطانیہ کے کل بارہ سفر کیے، آپ نے یہ سفر دعوتی ودینی مقاصد اوران میں سے بعض طبی مشوروں کے لئے کئے تھے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب بھی برطانیہ تشریف لاتے یہاں کی مسلم آبادی سے خطاب فرماتے، یہاں کے تعلیمی اداروں اوردعوتی ودینی مراکز کا دورہ کرتے، اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کو اپنا پیغام پہنچاتے، مولانا کے ان سفروں اورسرگرمیوں کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آپ پڑھیں گے۔

پیش نظر مجموعہ اس احساس کے ساتھ تیار کیا گیا ہے کہ برطانیہ کے مسلمانوں کے ساتھ آپ کا جو گہرا تعلق رہا ہے، اورجس طرح آپ نے خصوصی طور پر یہاں کے لوگوں کو مخاطب بنایا ہے اس پوری تاریخ کو محفوظ کردیا جائے، اس کے پیچھے بنیادی طور پر یہ محرک کارفرما ہے کہ یہاں کی مسلم آبادی بار بار مولانا کے ان پیغامات کو پڑھ کر اپنا عہد تازہ کرے اورنئی مسلمان نسلیں ان سے رہنمائی حاصل کریں، مولانا کی ان اہم تقاریر کے علاوہ اس مجموعہ میں مولانا کی مختصر سوانح، برطانیہ کے اسفار کی روداد، بعض مجالس اور برطانیہ کے مسلمانوں کے نام مولانا کے خطوط بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ اس مجموعہ کو قبولیت سے نوازے، اورمرتب اور قارئین کو اس سے استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے، وما توفیقی إلا باللہ، علیہ توکلت، والیہ انیب۔

محمد اکرم ندوی

آکسفورڈ

۲۰ رذی القعدہ ۱۴۲۳ھ-۲۳ جنوری ۲۰۰۳ء

مختصر سوانح

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نسباً حسنی سید ہیں، اب کی نسبت ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام، امام المرسلین اور خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سیدۃ نساء اہل الجنتہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، خلیفہ راشد امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سید شباب اہل الجنتہ امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور بے شمار اولیاء، علماء، محدثین اور فقہاء سے ہے، یہ نسلی خصوصیات و امتیازات آپ کی ترکیب کا حصہ تھیں۔

آپ کی پیدائش محرم ۱۳۳۲ھ میں تکیہ رائے بریلی میں ہوئی، گھر میں علم کا چرچا تھا، سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک جہاد کے قصوں کا تذکرہ رہتا تھا، اور صلاح وتقویٰ اس خاندان کے ہر فرد کا شعار تھا، علم وفضل کے اس ماحول میں آپ کی نشونما اور تعلیم وتربیت ہوئی، آپ کے والد حکیم سید عبدالحی حسنی (م ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء) کا شمار ہندوستان کے عظیم ترین مؤرخین اور برصغیر کے ممتاز محدثین میں ہوتا ہے۔

آپ کے اساتذہ میں شیخ خلیل بن محمد یمنی (م ۱۳۸۶ھ)، ڈاکٹر تقی الدین ہلالی، علامہ حیدر حسن خان ٹونکی (م ۱۳۲۱ھ)، شیخ احمد علی لاہوری (م ۱۳۸۱ھ)

اور شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ (م ۱۳۷۷ھ) ہیں، آپ نے دار العلوم ندوۃ العلماء اور دار العلوم دیو بند دونوں سے کسب فیض کیا، مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۶۲ھ) سے تعلق آپ کی زندگی کے لئے انقلابی موثر ثابت ہوا، مشہور عارف باللہ مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۲ھ) سے بیعت وارادت کا تعلق قائم ہوا، مولانا عبد القادر رائے پوری اور مولانا احمد علی لاہوری دونوں حضرات نے آپ کو خلافت سے نوازا، علامہ اقبال (م ۱۹۳۸ء) سے ملاقات کی اور ان کی شاعری سے کافی استفادہ کیا۔

۱۹۳۴ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں تفسیر، حدیث اور ادب عربی کے استاد کی حیثیت سے تقرر ہوا، تدریس کے ساتھ تبلیغ ودعوت اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع سے چلتا رہا۔ ۱۹۶۱ء میں ندوۃ العلماء کے ناظم کی حیثیت سے آپ کا انتخاب عمل میں آیا، یہ انتخاب ندوۃ العلماء اور ملک وملت کے لئے اس قدر بابرکت ثابت ہوا کہ اس نے ندوۃ العلماء کی تحریک اور دار العلوم دونوں کو ایک نئی زندگی عطا کی، اور ہندوستان کا تعلق عالم عرب بلکہ پورے عالم اسلام سے اس قدر استوار ہوا جس کی نظیر ہندوستان کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی، اور پہلی بار اسلامی فکر کے میدان میں ہندوستانی مسلمانوں کی شرکت اور ان کے حصہ کی قدر وقیمت محسوس کی گئی اور اس کا واضح اعتراف کیا گیا۔

مولانا کی تصنیفات کی فہرست کافی طویل ہے جن میں (۱) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر (۲) تاریخ دعوت وعزیمت (پانچ جلدیں) (۳) سیرت سید احمد شہید (دو جلدیں) (۴) جب ایمان کی بہار آئی (۵) المرتضیٰ (۶) ارکان اربعہ (۷) مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت (۸) نبی رحمت (۹) نقوش اقبال (۱۰) مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی۔

(۱۱) قادیانیت (۱۲) اسلامیت ومغربیت کی کشمکش (۱۳) تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک (۱۴) دستور حیات خاص طور سے اہمیت کی حامل ہیں۔

حضرت مولانا ایک عالم ربانی تھے، سلامتئ عقیدہ وعمل، طہارت قلب وعقل، زہد واستغناء، قناعت وتوکل، جرأتِ ایمانی وعزیمت، اخلاص وللّٰہیت، ورع وتقویٰ، فنائیت وبے نفسی، جامعیت وہمہ گیری، اور اعتدال وتوازن کی صفات سے متصف تھے۔

مولانا کی زندگی کا بنیادی محور دعوت اسلامی اور فکر اسلامی ہے، مولانا کی دعوت وفکر کی خصوصیات واثرات کے گہرے مطالعہ ہی سے مولانا کے پیغام کی بلندی کا صحیح اندازہ ہو سکے گا، مادہ پرستی کے مقابلہ میں دلوں کے اندر ایمان کی تخم ریزی، عقل وفلسفہ پر وحی الٰہی کی برتری کا اعلان، قرآن کریم سے تعلق کی استواری، سنت وسیرت سے محکم ربط پیدا کرنے کی جدوجہد، ربانیت اور صحیح اسلامی روحانیت کی نشونما، تخریب کے بجائے تعمیر، تفریق کی جگہ اتحاد، جہاد فی سبیل اللہ کے جذبہ کے احیاء، تاریخ اسلامی اور اس کے کارناموں سے فیضیابی، مغربی فکر اور مادی تہذیب پر تنقید، قومیت اور جاہلی عصبیتوں پر تنقید، ختم نبوت کے عقیدہ کی ترسیخ، فکری ارتداد کے خلاف جہاد، تاریخ میں امت مسلمہ کے کردار کے تسلسل، صحابہ کرام کی فضیلت کے بیان، مسئلہ فلسطین کی وضاحت، مغربی فکر وفلسفہ سے آزاد ہو کر تعلیم وتربیت پر توجہ، معاصر علماء اور دعاۃ کی ترتیب، مسلم بیداری اور اسلامی تحریکوں کی صحیح رہنمائی اور غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت، یہ وہ عناصر ہیں جن پر آپ نے اپنی دعوت اور فکر کی تشریح کی بنیاد رکھی۔(۱)

---

(۱) شیخ یوسف القرضاوی جو خود بھی اس وقت دعوت وفکر اسلامی کے امام ہیں، نے حضرت مولاناؒ پر اپنی ایک کتاب "الشیخ ابوالحسن الندوی کما عرفتہ" (۷۹-۹۳) میں مولاناؒ کی فکر کی ان بنیادوں کا قدر تفصیل سے جائزہ لیا ہے

دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف، اصلاح وتجدید کے عظیم کارناموں سے پُر بابرکت زندگی گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب بندہ کو جمعہ کے دن ۲۲/رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو اپنی بارگاہ میں بلا لیا، اور ایسا محسوس ہوا کہ صرف ہندوستان کے مسلمان ہی نہیں بلکہ عرب وعجم اور مشرق سے لے کر مغرب تک پوری امت مسلمہ یتیم ہوگئی۔

منگر کہ دل ابن یمین پر خوں شد
بنگر کہ ازیں سرائے فانی چوں شد
مصحف بکف وپا برہ ودیدہ بدوست
با پیک اجل خندہ زناں بیروں شد

برطانیہ کے سفروں کی روداد

یورپ میں اسلام اور مسلمانوں کی موجودگی کی تاریخ اسلام کی پہلی صدی سے شروع ہوتی ہے، یورپ کا تعلق عالم اسلام سے سیاست وتجارت اور علم وثقافت کے میدانوں میں بڑا استوار رہا ہے، تین مرحلے یورپ کی تاریخ میں ایسے آئے جبکہ اسلام کی مضبوط حکومتیں یہاں قائم ہوئیں، اور مسلمانوں نے علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کے تمام میدانوں میں یورپ پر بیش بہا احسانات کیے، بلکہ یورپ کی نشاۃِ ثانیہ رہینِ منت ہے مسلمانوں کے ان احسانات کی، پہلا مرحلہ پہلی صدی ہجری میں اسپین کی فتح سے شروع ہوتا ہے، اسی مرحلہ میں مسلمانوں نے سسلی اور جنوبی اٹلی میں بھی اپنی مضبوط اور شاندار حکومتیں قائم کیں، دوسرا مرحلہ ساتویں صدی ہجری میں دنیا کے بڑے حصہ پر منگولوں کے تسلط کا نتیجہ تھا، جنھوں نے بعد میں اسلام قبول کر کے تاتارستان اور قوقاز کے علاقوں میں مسلمانوں کی موجودگی کو دوام عطا کیا، ان علاقوں کے مسلمانوں کی بڑی تعداد تجارت کی غرض سے روس، فین لینڈ بلکہ پولینڈ اور یوکرین کی سرحدوں تک آباد ہوگئی، تیسرا مرحلہ بلقان اور وسطی یورپ میں سلطنت عثمانیہ کی براہ راست حکومت سے شروع ہوتا ہے، آج بھی بلغاریہ، یوگوسلاویہ، رومانیہ اور یونان میں مسلمانوں

کی بڑی تعداد آباد ہے جو اس عہد عثمانی کی یادگار ہیں۔

برطانیہ اور یورپ کے بعض دوسرے علاقوں میں مسلمانوں کی واضح موجودگی ایک چوتھے مرحلہ کا نتیجہ ہے، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد یورپی استعمار کے بعد سے یہاں ہجرت کر کے آباد ہوئی، یہ رجحان دوسری جنگ عظیم کے بعد زیادہ بڑھا اور آج تک قائم ہے۔

برطانیہ کی مسلم آبادی کا تعلق اس چوتھے مرحلہ سے ہے، زیادہ تر برصغیر ہند و پاک و بنگلادیش کے مسلمانوں نے یہاں ہجرت کی، عرب، ترک اور ایرانی مسلمانوں کی بھی تعداد اچھی خاصی ہے، ساتھ ہی یہاں کی مقامی آبادی میں اسلام قبول کرنے کے رجحان کے نتیجہ میں سفید فام برطانوی مسلمانوں کی تعداد بھی روز افزوں ہے، ایک اندازہ کے مطابق اس وقت برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد بیس لاکھ کے قریب ہے، جن میں اکثریت برصغیر کے مسلمانوں کی ہے، اس وقت برطانیہ کے ہر بڑے شہر میں متعدد مسجدیں، مدرسے، دارالعلوم، دینی مراکز اور انجمنیں قائم ہیں۔

برطانیہ سے مولانا کی واقفیت بچپن سے ہے، آپ نے جب آنکھیں کھولیں تو ہندوستان میں برطانوی استعمار اپنے شباب پر تھا، آپ نے یورپ کے فلسفوں، افکار، یورپ کی نشأۃ ثانیہ کی تاریخ و عناصر، اور مغربی تہذیب کے ترکیبی اجزاء کا گہرائی سے مطالعہ کیا، آپ نے یورپ جانے سے پہلے مغربی تہذیب کے بارے میں جو رائے قائم کی اور اس پر جو کچھ لکھا تھا اس پر کسی نظر ثانی کی ضرورت نہیں پڑی، بلکہ ان سفروں نے یورپ کے بارے میں آپ کے نقطۂ نظر کو تقویت دی اور آپ کو اپنی رائے پر پوری بصیرت حاصل ہوئی۔

حضرت مولانا نے انگلینڈ کے کل بارہ سفر کئے، پہلے سفر میں ڈاکٹر

اشتیاق حسین قریشی، تیسرے میں مولانا معین اللہ صاحب ندوی، باقی تمام سفروں میں استاد محترم مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم، اور آخری سفر میں استاد محترم مولانا سید محمد واضح رشید ندوی مدظلہ العالی رفیق سفر تھے، ان اسفار کی تفصیل درج ذیل ہے۔

پہلا سفر:

پہلا سفر ڈاکٹر سعید رمضان کی دعوت پر جنیوا کے اسلامک سنٹر کے اجتماعات میں شرکت کے لئے تھا، یہ سفر ستمبر ۱۹۶۳ء میں ہوا، اس سفر میں یورپ کے مختلف ممالک کی زیارت کے ساتھ انگلینڈ میں لندن، آکسفورڈ، برمنگھم، کیمبرج، گلاسگو، اور ایڈمبرا جانا ہوا، تقریروں میں ایڈمبرا یونیورسٹی کی اسلامی مجلس کی تقریر، لندن یونیورسٹی کے یونین ہال کی تقریر، بی بی سی پر دو تقریریں "ایک زائر لندن کے تأثرات" دوسرا مکالمہ جو عربی زبان کی ترقی کے امکانات اور مسلم ممالک کے ساتھ اس کے تعلقات کے موضوع پر تھا خاص طور سے قابل ذکر ہیں، سب سے اہم لندن یونیورسٹی ہال کی تقریر تھی جو عربی میں "بین الشرق والغرب" کے عنوان سے تیار کی گئی تھی جس کا فصیح انگیزی ترجمہ ایک نومسلم انگریز نے جوش واثر کے ساتھ پڑھا۔(۱)

اس سفر میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے صدر شعبہ عربی پروفیسر بیسٹن، کیمبرج کے مشہور مستشرق ڈاکٹر آربری، سواس کے پروفیسر باشم، اور ایک دوسرے مشہور مستشرق ایرک برتھ سے ملاقاتیں ہوئیں، لندن کے قیام کے دوران برٹش میوزیم کی لائبریری اور انڈیا آفس لائبریری سے استفادہ، اور مختلف عجائب

---

(۱) یہ تقریر آئندہ فصل میں آرہی ہے۔

گھروں اور تاریخی عمارتوں اور جگہوں کی زیارت کی۔

دوسرا سفر:

دوسرا سفر اکتوبر ۱۹۶۴ء میں پھر مرکز اسلامی جنیوا میں شرکت کے لئے ہوا، لندن میں قیام لندن کی جماعت تبلیغ کے امیر سید منور حسین صاحب کی رہائش پر رہا، اس سفر کی اہم تقریبات میں اسلامک سنٹر بیکر اسٹریٹ لندن کی تقریر جو مسلمان طلبہ اور نوجوانوں کے سامنے ہوئی۔(۱)

تیسرا سفر:

یہ سفر ۱۹۶۹ء میں آنکھ کے علاج اور اسلامک سنٹر جنیوا کی مجلس انتظامی کے جلسہ میں شرکت کے لئے تھا، جون میں لندن پہنچے اور مسرور احمد صاحب لکھنوی کے مکان پر قیام کیا، اس سفر میں حضرت مولانا نے انگلستان کا طویل دورہ کیا جو اس سے پہلے اور اس کے بعد نہیں ہوسکا، برمنگھم، مانچسٹر، بلیک برن، شیفیلڈ، ڈیوزبری، لیڈس وغیرہ تشریف لے گئے، ہر جگہ مسلمانوں سے خطاب کیا اور فکر انگیز دعوتی واصلاحی تقریریں کیں، جن میں انگلستان کے مقیم مسلمانوں کو اپنا دعوتی فرض انجام دینے، اپنی افادیت ثابت کرنے، اور اپنی خصوصیات اور جدید نسل کے دین و مذہب کو محفوظ رکھنے کے لئے مشورے دیئے، اور اس طرح یہ سفر اور قیام طبی سے زیادہ دعوتی اور شخصی سے زیادہ جماعتی بن گیا، یونیورسٹیوں میں سے برمنگھم یونیورسٹی اور لیڈس یونیورسٹی کے ہال میں مسلمان طلباء اور اساتذہ اور تعلیم یافتہ مسلمانوں سے خطاب ہوا،(۲) بعض عرب طلباء کے اصرار سے جو

---

(۱) یہ تقریر بھی آئندہ فصل میں آرہی ہے۔

(۲) یہ تقریر بھی آئندہ فصل میں آرہی ہے۔

حضرت مولانا سے تصنیفات کے ذریعہ واقف اور متأثر تھے گلاسگو کا بھی سفر ہوا، وہاں جمعہ کے دن عربی اور اردو میں خطابات ہوئے، ان عرب طلباء ہی کے ساتھ جو اکثر اخوانی تھے ان کے معمول کے مطابق گلاسگو کی جامع مسجد میں شب گزاری بھی کی۔

لندن کے قیام میں ماہر القادری صاحب جو افریقہ کے ایک سفر سے واپس ہوئے تھے مولانا سے ملنے آئے، ان کے اعزاز میں پیکاڈلی ہوٹل میں ایک ادبی محفل کا انعقاد کیا گیا تھا جس میں حضرت مولانا کو دعوت دی گئی، ماہر صاحب سے تعلق کی بنیاد پر تکلیف کے باوجود مولانا نے شرکت کی اور ان کے کلام اور پیغام کے متعلق گفتگو کی۔

ماہر صاحب نے مولانا کو لیک ڈسٹرکٹ دیکھنے کی بہت ترغیب دی اور اس کی بڑی تعریف کی، ان کے غیر معمولی تأثر اور تعریف کی بناء پر مولانا نے اس کی سیر کی، سفر طویل تھا اور وقت کم، اور آنکھ کی تکلیف مستزاد لیکن مولانا کے بقول وہ جگہ دیکھنے کے قابل تھی۔

چوتھا سفر:

مئی ۱۹۸۳ء میں حضرت مولانا کو پروفیسر خلیق احمد نظامی کا خط ملا کہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں ایک اسلامک سنٹر کی تاسیس کی تجویز ہے، اور ڈاکٹر ڈیوڈ براؤننگ جو سینٹ کراس کالج کے استاد اور وائس پرنسپل ہیں وہ اس میں خاصی دلچسپی لے رہے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس کار خیر میں شریک ہوں، اور اس کی تاسیس، اس کے مقاصد و دستور العمل کی ترتیب میں مدد دیں اور ''اسلام و مغرب'' کے عنوان پر مقالہ بھی پڑھیں، مولانا کی زمانہ سے خواہش تھی اور دعا بھی کرتے

تھے کہ مغرب کے ممتاز دانشوروں کے سامنے مغربی تہذیب، فلسفہ زندگی، اور عالم انسانی کی اس فکری، تہذیبی اور اخلاقی قیادت کی ناکامی پر جو تقدیر سے ان کے ہاتھ میں آگئی ہے آزادنہ خیالات کے اظہار کا موقع ملے، اس لئے یہ دعوت قبول فرمائی، اور ۲۱ر جولائی ۱۹۸۳ء کو لندن پہنچ گئے، دوسرے دن مولانا نے مختصراً عربی میں تقریر کی، پھر انگریزی میں چند کلمات فرما کر ڈاکٹر فرحان احمد نظامی صاحب کو اپنا وہ مضمون سنانے کی دعوت دی جو "اسلام اور مغرب" کے عنوان سے تیار کیا تھا، ڈاکٹر نظامی نے سید محی الدین صاحب کا کیا ہوا اس کا ترجمہ پڑھا ۲۳-۲۴ر جولائی کو مرکز کی تاسیس عمل میں آئی اور مولانا کو باصرار اس کی مجلس انتظامی کا صدر منتخب کیا گیا۔

آکسفورڈ سنٹر کی تاسیس کی تقریب سے فراغت کے بعد مزید چھ دن انگلستان میں قیام رہا، جس کے دوران مڈلینڈ کے اہم اسلامی سنٹر دیکھے، اور اہم مساجد، مشہور تبلیغی مراکز اور مسلمانوں کی بڑی آبادیوں کے قصبات کا دورہ کیا، لیسٹر کے اسلامک فاؤنڈیشن کا ذرا تفصیل سے معاینہ کیا، مسلمانوں کے سامنے خطابات کا مشترک موضوع، برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داری، صحیح طریق عمل اور خطرات وفوائد کی نشاندہی تھی۔

پانچواں سفر:

آکسفورڈ یونیورسٹی نے اسلامک سنٹر کے قیام کی اجازت دے دی تھی، لیکن ابھی اس کا باقاعدہ افتتاح کرنا باقی تھا، اس کے لئے ۸ر اکتوبر ۱۹۸۵ء کو انگلستان کا سفر کیا، ۹ر اکتوبر کو سنٹر کے قیام کو دستوری شکل دی گئی، ۱۱ر اکتوبر کو یونیورسٹی کے ذمہ داروں اور دیگر اہم شخصیتوں کے جلسہ میں باقاعدہ اس کا اعلان

بھی کر دیا گیا، مولانا کی طرف سے ایک سو منتخب ترین لوگوں کو عشائیہ دیا گیا، جس میں یونیورسٹی کے پروفیسران، عہدیداران اور برطانیہ میں مقیم دانشور طبقہ کے منتخب افراد شامل تھے، کھانے کے اختتام پر مولانا نے ایک تقریر کی جس کی روح اور خلاصہ یہ تھا۔

''آکسفورڈ یونیورسٹی میں اس سنٹر کا قیام ایک فال نیک ہے، اس سے دوستی اور مفاہمت کے نئے دروازے کھلیں گے اور علمی تحقیق کی نئی شاہراہیں سامنے آئیں گی، اسلام نے انسانیت کا جو درس دیا ہے اور جس طرح انسانیت کو اعلیٰ مقام پر پہنچایا ہے ضروری ہے کہ اس کا صحیح احساس پیدا ہو، بعثت نبوی کے وقت انسانیت سکرات موت کی ہچکیاں لے رہی تھی، رسول اکرم نے اس کی مردہ رگوں میں زندگی کی نئی لہر دوڑائی، آنے والی صدیوں میں جو ترقی ممکن ہوئی وہ بقائے انسانیت کے لئے اسی عظیم الشان کوشش کا نتیجہ تھی جو حضور سرور کائنات اکی ذات اقدس سے شروع ہوئی تھی، اگر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ کوشش بقاء انسانیت نہ فرماتے تو نہ یہ یونیورسٹیاں ہوتیں نہ یہ ادارے، ان کے اثرات آج تک انسانیت پر رحمت کی امید بنے ہوئے ہیں، اسی بنا پر اسلامی مرکز کا قیام یونیورسٹی کا احسان نہیں، شکر و اعتراف کا اظہار ہے، اور خراج محبت و شرافت ہے جو برضا و رغبت اسلام کو پیش کیا جا رہا ہے۔''

(کاروان زندگی جلد۳ ص ۱۰۷-۱۰۸)

آکسفورڈ سے فارغ ہونے کے بعد ۱۲؍اکتوبر کی شام کو لندن کا سفر

کیا، اور مسرور احمد صاحب کے یہاں حسب معمول قیام کیا۔

چھٹا سفر:

یہ سفر بھی آکسفورڈ کی مجلس انتظامی کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے تھا، ۲۶/اگست ۱۹۸۶ء کی صبح کو لندن پہنچے، ۲۷/ سے ۲۹/ تک آکسفورڈ میں قیام رہا، وہاں سے فارغ ہو کر لندن جانا ہوا، ۳۰-۳۱/اگست لندن میں قیام رہا۔

ساتواں سفر:

آکسفورڈ سنٹر کی مجلس انتظامی کے جلسہ میں شرکت کے لئے ۲۶/اگست ۱۹۸۷ء کو لندن پہنچے، ۲۷/اگست کو سالانہ جلسہ ہوا، اور ۲۹/اگست کو سینٹ کراس کالج میں منتخب اہل علم و دانش حضرات کے سامنے ''صحیح علم کی اشاعت و ترقی اور اس کے ذریعہ سے انسانیت کی رہنمائی اور اصلاح میں اسلام کا تاریخی کردار'' کے موضوع پر ایک فکر انگیز مقالہ پیش فرمایا، جس میں نبوت محمدی کے اعجاز، انفس و آفاق اور اقوام و ملل کے ماضی پر غور و فکر کی دعوت اور اس کے فائدے، علمی منتشر اکائیوں میں وحدت و ربط، مغرب کی بیداری اور علم و تہذیب کے نئے دور کے آغاز میں اسلام کا حصہ، قدیم دنیا میں مسلمانوں کا علمی تفوق اور مفید اور تجرباتی علوم میں ان کی قیادت، مسلمان موجدین فن اور ماہرین علوم وغیرہ عناصر کا تجزیہ کیا گیا، اس کے آخری ٹکڑے کا مختصر اقتباس پیش ہے:

> ''اس مقالہ کے اختتام سے پہلے میں آپ کی توجہ اس
> بنیادی حقیقت کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ہمیں یہ کبھی
> فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے،

انسان اپنی ذات سے علم کا نہ تو منبع ہے اور نہ منتہی، وہ صرف اللہ کی مرضی کو پورا کرنے والا، نائب یا نمائندہ ہے، قرآن مجید نے حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم اسماء (جو علم کی بنیاد ہے) کا ذکر، ان کے زمین میں خلافت الٰہی کے منصب پر سرفراز ہونے کے تذکرہ کے بعد اور اس سیاق وسباق میں کیا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے علم کا استعمال ''خلیفۃ اللہ'' کی حیثیت سے کرنے پر مامور تھے، علم کی تاریخ بلکہ تاریخ عالم کا یہ بہت بڑا المیہ تھا کہ انسان نے فراموش کر دیا کہ وہ خالق کائنات کا نائب اور خلیفہ ہے، اسے اس دنیا کی امانت سپرد کی گئی تھی، مالک اور آقا بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا کہ وہ زمین کے اوپر اور اس کے اندر پائے جانے والے خزانوں کو اپنے ذاتی، قومی، نسلی اور طبقاتی مفاد کے لئے، یا سیاسی برتری حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے۔

انسانیت کی تاریخ اور علم دونوں کے لئے وہ منحوس ترین دن تھا، جب اس نے تباہی کے اس راستہ کا انتخاب کیا، صرف یہ احساس کہ انسان اس دنیا کا مالک ہونے کے بجائے، خدا کا خلیفہ یا نائب ہے، اسے صراط مستقیم پر قائم رکھ سکتا ہے، کیونکہ اس حقیقت کا عرفان ہی اسے من مانی کارروائی کرنے میں مانع ہو سکتا ہے۔'' (کاروان زندگی جلد ۳ ص ۲۷۴-۲۷۵)

مسرور صاحب کچھ عرصہ سے بیمار چل رہے تھے اور مولانا کا خیال تھا کہ ان کو تکلیف نہ دی جائے، لیکن وہ خود گاڑی لے کر آئے اور مولانا اور مولانا

کے رفقاء کو ساتھ لندن لے گئے اور باوجود اپنی طویل بیماری، ضعف اور تنہائی کے انہوں نے میزبانی اور آرام پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی۔

آٹھواں سفر:

آکسفورڈ سنٹر کے سالانہ اجتماع میں جو ۲۳؍ اگست ۱۹۸۹ء کو منعقد ہو رہا تھا سفر کیا، اس وقت سلمان رشدی کا معاملہ گرم تھا، اس صورت حال کے پیش نظر اجتماع سے ایک روز پہلے سنٹر میں "انسانیت کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور شریف و متمدن دنیا کا اخلاقی فرض" کے عنوان سے ایک پر درد اور تحقیقی مقالہ پیش کیا، جس میں واضح کیا کہ سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسلمانوں اور اسلامی دنیا ہی کے محسن نہیں، انسانیت کے محسن اعظم ہیں، اور آپ ہی کی بعثت و دعوت اور تعلیمات اور آپ کے تربیت کردہ افراد و متبعین کی مساعی جلیلہ و جمیلہ کی بدولت چھٹی صدی عیسوی کے بعد اس انسانی نسل کو زندگی کی نئی طویل قسط اور موقع عطا ہوا، جس نے اپنے خدا اور خود فراموشی، نفس پروری، حیوانی اور بہیمانہ بلکہ درندہ صفت وحشیانہ زندگی کی وجہ سے زندہ اور باقی رہنے کا استحقاق کھو دیا تھا اور خدا کی عدالت میں خود اپنے خلاف ایسا مدلل مقدمہ پیش کر رکھا تھا جس پر سزائے موت ہی ملنی چاہئے تھی، اور اس وسیع و عریض دنیا کی بساط تہہ کر دینے کا فیصلہ ہی متوقع اور معقول تھا، مغربی مفکرین کے اقتباسات اور بعثت نبوی سے پہلے کی اور کچھ بعد تک کی دنیا کی المناک اور شرمناک تصویر پیش کرنے کے بعد بعثت محمدی کا تذکرہ کیا، اور محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی رسالت اور تعلیمات کے دس بنیادی اور قیمتی عطیوں کا ذکر کیا جنہوں نے نوع انسانی کی رہنمائی، صلاح و فلاح اور تعمیر و ترقی میں انقلابی کردار ادا کیا، اور ایک ایسی زندہ اور

درخشندہ دنیا کی تخلیق وتشکیل کی جو کہنہ اور زوال پذیر دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی، اس کے بعد نامور یورپین مؤرخین کی شہادتیں اور بعثت ورسالت محمدی کے انقلاب انگیزی کے متعدد اعترافات نقل کئے، اس کے بعد تیرہویں صدی عیسوی میں تاتاریوں کے متمدن دنیا پر اس حملہ کا ذکر کیا جس کے حجم اور رقبہ کو عام طور پر سمجھا نہیں گیا، لیکن انسانیت کی اس بے بسی کی حالت میں ایک معجزہ ظاہر ہوا اور تاتاریوں نے من حیث القوم اسلام قبول کیا، اور وہ نہ صرف انسانیت اور تہذیب کے دائرہ میں آ گئے بلکہ انسانیت اور علم کے محافظ وقدر دان اور مہذب ووسیع سلطنتوں اور تہذیب کے بانی ومعمار بن گئے، یورپ پر اسلام کے تہذیبی علمی اور اخلاقی احسانات کا تذکرہ کیا، نیز اس مقالہ میں اظہار خیال کی آزادی پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنے کو فرد کی آزادی کو سلب کر لینے اور جبر واستبداد کے عمل کے مرادف قرار دینے کے سطحی اور عامیانہ خیال پر تنقید کی گئی جن کی آڑ لے کر حکومت برطانیہ نے سلمان رشدی کو اپنے دل آزار، احسان فراموش، حقیقت کش اور مخرب اخلاق خیالات ظاہر کرنے کی آزادی دی اور اس کا تحفظ کیا۔

یہی مقالہ لندن کے بین الاقوامی اسلامک سنٹر پارک روڈ میں انگریزی عربی اور اردو میں پیش کیا گیا اور بہت پسند کیا گیا۔

آکسفورڈ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے معمول کے مطابق مولانا نے اپنے قدیم میزبان مسرور صاحب کے پاس لندن میں قیام کیا۔

نواں سفر:

اگست ۱۹۹۱ء کے آخر میں سنٹر کی سالانہ میٹنگ میں شرکت کی، آکسفورڈ کی مدینہ مسجد میں جمعہ کی نماز سے پہلے ایک مختصر اور جامع خطاب کیا،

جس میں اس پر زور دیا کہ میں اتفاقات پر یقین نہیں رکھتا، آپ لوگوں کے یہاں ہجرت اتفاقی امر نہیں یہ ایک فیصلۂ الٰہی ہے تاکہ یہاں کے باشندوں کو اسلام سے واقفیت کا موقع ملے، اس لئے آپ کی ذمہ داری ہے کہ یہاں ایک باعمل مسلمان اور داعی کی حیثیت سے زندگی گزاریں، یہاں سے فارغ ہو کر مولانا نے اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر کی دعوت پر وہاں ۲ر ستمبر کو ایک جلسہ میں اہل علم اور دعوتی اور تحقیقی کام کرنے والوں کے ایک مجمع سے خطاب کیا، موضوع تھا ''دین حق ودعوت اسلام ایک فلک بوس اور سدابہار درخت ہے''۔

دسواں سفر:

ستمبر ۱۹۹۲ء کے پہلے ہفتہ میں سنٹر کی سالانہ میٹنگ میں شرکت کی، راقم السطور کو مخدوم و معظم حضرت مولانا علیہ الرحمۃ سے زمانہ طالب علمی سے نیاز حاصل ہونے اور مختلف موقعوں پر استفادہ کرنے کے باوجود ابھی تک حدیث کی اجازت لینے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی، اس بار آکسفورڈ میں قیام کے دوران اجازت کی درخواست کی، جسے حضرت نے قبول فرمایا، اور صحاح ستہ اور مسند احمد کے اوائل سننے کے بعد اجازت مرحمت فرمائی، اور اپنے اس احساس کو بار بار دہرایا کہ آج اللہ تعالیٰ نے برطانیہ میں حدیث شریف کے درس اور اجازت کی توفیق دی، حالانکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے الحاد و لادینیت برآمد ہوتی رہی ہے۔

سنٹر کی مصروفیتوں اور ضروری مجالس میں شرکت کے بعد ۱۸ر ستمبر کو اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر تشریف لے گئے، وہاں ایک اہم مجمع کے سامنے ''امت مسلمہ کا فرض منصبی اور اس کے انقلابی اثرات'' کے موضوع پر تقریر کی (۱) لسٹر سے لندن جانا

(۱) یہ تقریر آئندہ فصل میں پیش کی جا رہی ہے۔

ہوا،اور رجنٹس پارک کی مسجد میں نوجوان عرب وفضلاء کے سامنے عربی میں ''غیر اسلامی تہذیب واقتدار کے مرکزوں میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داریاں'' کے موضوع پر تقریر کی۔(۱)

گیارہواں سفر:

۲۷/اگست ۱۹۹۳ء کوسنٹر کی سالانہ میٹنگ میں شرکت کے لئے آکسفورڈ پہنچے،اس بار یہاں رابطہ ادب اسلامی کی ایک روزہ کانفرنس بھی تھی، دونوں تقریبوں میں شرکت کی،راقم السطور نے اس بار کے قیام کی ساری مجالس پورے اہتمام سے قلم بند کیں، جوآئندہ پیش کی جارہی ہیں۔

سنٹر کی مجلس انتظامی کی میٹنگ سے فارغ ہونے کے بعد یکم ستمبر کی شام کولندن تشریف لے گئے اورمسرور صاحب کے مکان پر قیام کیا،اگلے دن مسرور صاحب کی نوتعمیر شاندار مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی،نماز سے پہلے نمازیوں سے خطاب کیا۔

بارہواں سفر:

یہ سفر۱۳/اگست ۱۹۹۶ء کوہوا،آکسفورڈ سنٹر کی میٹنگ اگست کے شروع میں تھی جس میں شرکت نہ ہوسکی،اس سفر کا مقصد جامعۃ الہدیٰ نوٹنگھم کا افتتاح تھا،دودن آکسفورڈ میں قیام کرنے کے بعد نوٹنگھم تشریف لے گئے،وہاں خواص کی موجودگی میں دینی وعربی نصاب پر اظہار خیال کیا،دارالعلوم ندوۃ العلماء کا نصاب سامنے رکھتے ہوئے اس حقیقت پر زوردیا کہ زبان ودین کوایک دوسرے سے وابستہ اورمعاون ہوناچاہئے،اوراس سے دین کی دعوت کا سلیقہ اورجذبہ پیدا

---

(۱) یہ تقریر بھی آئندہ فصل میں پیش کی جارہی ہے۔

ہونا چاہئے، جمعہ کی نماز سے پہلے نمازیوں سے اردو میں خطاب کیا، شام کے وقت اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر تشریف لے گئے اور وہاں ایک اہم مجمع سے خطاب کیا۔

شام کو نوٹنگھم واپس تشریف لائے، اگلے دن مولانا رضاء الحق صاحب اور ان کے معاونین نے جامعۃ الہدیٰ کی مجوزہ عمارت کے ایک وسیع ہال میں جلسہ کا انتظام کیا، موضوع کی مناسبت سے مولانا پر یہ احساس غالب آیا کہ برطانیہ اور اس میں بھی خاص لندن کے مرکز نے مشرق وایشیا پر اور ان میں بھی خاص طور پر ممالک اسلامیہ بلکہ مراکز دینی پر ایک ایسا نظام تعلیم بلکہ تعلیمی تخیل نافذ ومسلط کیا جو ایمانیات، نبوت کی تعلیمات اور اصل مقصد علم وفکر سے نہ صرف مختلف ومتبائن تھا بلکہ اس کا حریف ومتضاد تھا، اس نے علم کا رشتہ واہب علم ومعلومات اور خالق کائنات سے نہ صرف منقطع کر دیا بلکہ اس کا حریف ومتبائن بنا دیا، اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا نے سورہ علق کی ابتدائی آیات " اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ‎○‎ اِقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ‎○‎ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ‎○‎ " پڑھیں اور کہا:

> "اللہ نے علم کو اسم الٰہی سے مربوط اور اس کے ماتحت اور اس کی رہنمائی میں حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے، اور وہی علم معتبر ونافع ہے جو اسم الٰہی سے وابستہ اور اس کے زیر فرماں اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے والا ہو، جو علم اس اسم سے کٹ جائے گا یا مستغنی ہو جائے گا وہ بجائے ہدایت کے ضلالت کا اور بجائے عدل وانصاف اور اصلاح کے قائم کرنے کے ظلم وزیادتی اور تخریب کا باعث ہوگا، یہی المیہ مغرب میں پیش آیا کہ علم واسم میں نہ صرف جدائی بلکہ مغایرت ومنافرت پیدا ہوئی، اس کے

نتیجہ میں دین ودولت اور تعلیمات الٰہی اور سیادت وحکومت میں
نہ صرف مغایرت بلکہ نبرد آزمائی پیدا ہوگئی، ریاست اور حکومت
نے اپنے ملک کے مذہبی مرکز ونمائندہ ''کلیسا'' سے آزادی اور
چھٹی حاصل کرلی، اور وہ لادینیت کے راستہ پر پڑگئی، اس کا جو
انجام ہوا اس کو ترجمان حقیقت علامہ اقبال نے جو جدید تعلیم
ومطالعہ کے ماہر ومبصر اور کیمبرج کے ممتاز فاضل تھے بڑی خوبی
سے ان اشعار میں بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی — سماتی کہاں اس فقیری میں میری
خصومت تھی سلطانی وراہبی میں — کہ وہ سر بلندی ہے یہ سر بزیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا — چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
ہوئی دین ودولت میں جس دم جدائی — ہوس کی امیری ہوس کی وزیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا — بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی — کہ ہوں ایک جنیدی واردشیری

اب اگر اس ملک میں کوئی اسلامی تعلیمی ادارہ بڑے
پیمانہ پر قائم کیا جارہا ہے تو اس کو خود بھی اسی اساس (علم واسم
کے ربط اور اسم الٰہی اور ہدایات ربانی کی نگرانی اور سرپرستی
میں تحصیل علم ومعرفت کے سلسلہ کے آغاز وانجام) کو اپنا
اولین ورہنما اصول بنانا اور خود مغرب اور اپنے ماحول کو اسی
کی دعوت دینا ہے اور یہ اس بحر ظلمات میں روشنی کا ایک مینار
اور نئے سفر کا آغاز ہوگا، اور اسی بنیاد وتخیل پر اس جامعۃ الہدیٰ
کو قائم اور سرگرم ہونا چاہئے، اور یہی اس کا نہ صرف وجہ جواز

بلکہ ادائے فرض کا مرادف ہے۔

(کاروانِ زندگی جلد ۶ ص ۳۰۵-۳۰۷)

نوٹنگھم میں دو دن گزارنے کے بعد مولانا لندن تشریف لے گئے اور مسرور صاحب کے یہاں قیام کیا۔

حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کا کوئی سفر دعوت و تبلیغ اور علم و تعلیم کے عنصر سے خالی نہیں رہا، جہاں بھی تشریف لے گئے حالات اور موقع کے لحاظ سے لوگوں سے خطاب کیا، گزشتہ صفحات میں اس کا اندازہ ہوگیا ہوگا کہ برطانیہ کے تمام اسفار میں مولانا کے اوقات کس قدر مشغول گزرتے تھے، ان علمی و تبلیغی دوروں میں مولانا نے درجنوں خطابات فرمائے، جن میں سے چند منتخب خطابات آئندہ صفحات میں اپنی اہمیت کی بنا پر پیش کیے جارہے ہیں۔

انسانیت کا پیغام
مشرق و مغرب کے نام

یہ تقریر ۱۱/ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو لندن یونیورسٹی کے یونین ہال میں کی گئی تھی، جس میں طلبہ، اساتذہ، محققین اور مصنفین کی بڑی تعداد شریک تھی، یہاں پر "مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں" سے نقل کی جارہی ہے۔

مشرق و مغرب کی درمیانی خلیج

انگریزی کے ایک بڑے شاعر کپلنگ (KIPLING) نے کہا تھا کہ مشرق مشرق رہے گا، اور مغرب مغرب، دونوں کبھی مل نہیں سکتے"۔

یہ بات اگرچہ ایک ادیب کی زبان سے نکلی تھی، جو اس صدی کی ابتداء میں فوت ہوا ہے، مگر دراصل یہ ایک تصور ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی خاص نظریہ یا تصور کسی سوسائٹی میں کبھی قبول ہو جاتا ہے، اور افراد کے عقائد و جذبات کے بنانے اور ان کی پرورش میں اس کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے، پھر اسی نظریہ یا تصور کو کوئی شاعر جو اپنی سوسائٹی کا ترجمان ہوتا ہے، اپنے بلیغ انداز میں موزوں کر دیتا ہے، جو ایک ضرب المثل بن کر پھیل جاتا ہے، پھر ہر دور میں اس کے بعد آنے والی نسلیں ہر جگہ اس کو دہراتی ہیں، اور ایک اصول و کلیہ کی طرح اس پر ایمان رکھنے لگتی ہیں۔

مگر اس تصور نے انسانی مفاد کو جتنا نقصان پہنچایا ہے، اور جس درجہ اس نے انسانی وحدت کے اصول کو پارہ پارہ کیا ہے، اور ان کے انداز فکر پر جو ستم ڈھایا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے نظریہ نے اس قدر نقصان پہنچایا ہوگا کیونکہ یہ تصور بنی نوع انسان کے خاندان کو مشرق و مغرب کی دو ٹولیوں میں تقسیم کر دیتا ہے، کہنے کو تو یہ ایک سادہ سی بات یا تاریخی حقیقت ہے مگر لوگ اس کے بعد سے ہمیشہ مشرق و مغرب کو اس نظریہ سے دیکھنے لگے کہ یہ دو حریف کیمپ ہیں، یہ اولاً تو کبھی مل نہیں سکتے، اور اگر ملے تو میدان جنگ ہی میں مل سکتے ہیں، اور اگر کبھی اکٹھا ہوئے بھی تو ایک دوسرے کی ہجو کریں گے، اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر، اس کی برائیاں نکال کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کریں گے۔

صدیوں سے مشرق و مغرب کا یہی انداز ہے، دونوں میں سے کسی نے

بھی ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور اگر سمجھا بھی تو ان سطحی اور ناقص معلومات کی روشنی میں جو صرف ان کے کمزور پہلو ہی پر مبنی تھے، ان کے اندر جو خوبیاں ہیں، طاقت اور روشنی کے جو چشمے ہیں، ان سے اکثر غفلت برتی گئی، ایک نے دوسرے کو جب دیکھا تو شک، خوف اور بدگمانی کی نگاہ سے دیکھا یا پھر نفرت و ناپسندیدگی کی نگاہ سے۔

اس خلیج کا اصل سبب

سب سے پہلے مشرق و مغرب کا سامنا صلیبی جنگوں کے موقع پر ہوا تھا، ان جنگوں کے موقع پر جو عقیدہ مشرق پر حملہ آوروں کو ابھار رہا تھا، اور وہ روح جو ان کے اندر کارفرما تھی، اور ان کے اندر جو جوش و ولولہ پیدا کر رہی تھی، اس کی بنیاد ان قصوں پر تھی، جو انہوں نے مسلمانوں کے بارے میں سن رکھے تھے، اور جن کو وہ صحیح سمجھ رہے تھے، اور اس بنیاد پر تھی کہ ان سے یہی کہا گیا تھا کہ ''یہ جنگ اس لئے ہے کہ مقدس سرزمین کو وحشی بت پرستوں کے چنگل سے نجات دلائی جائے'' اس کے علاوہ جنگ کی سیاہ اور بھیانک فضا کبھی بھی کسی برسرپیکار لشکر کو اس کا موقع نہیں دے سکتی کہ وہ دوسرے فریق کی خوبیوں کو دیکھ کر اس کے جوہر کو پرکھ کر، اس کے عقائد کا مطالعہ کر کے اس کی قدردانی کرے اور شریفانہ و مساویانہ اصول پر باہمی مفاد کے لئے کام کرنے کی راہ ہموار کرے، لیکن اس کے باوجود تاریخ تمدن کی مانی ہوئی حقیقت ہے کہ صلیبی جنگیں فائدے سے خالی نہ رہیں، اور مشرق و مغرب کے درمیان خلیج اگر پاٹی نہ جا سکی تو تنگ ضرور ہوگئی۔

مشرق و مغرب کا باہمی تعارف بہت قریب سے اس وقت ہوا جب کہ انیسویں صدی میں مغرب نے سیاسی یا اقتصادی مفاد کی خاطر اپنا آہنی اور مضبوط

ہاتھ مشرق کی طرف بڑھایا اور اپنا ہاتھ یکے بعد دیگرے مشرق کے ممالک پر مسلط کیا اور اس کے ساتھ اپنے تمدن، صنعت، سائنس اور کلچر کے ساتھ یلغار کی، اور اپنے طرز حکمرانی کے اچھے اور برے دونوں پہلوؤں میں اس مشرق کو دبوچ لیا جو تمدن اور جنگی صنعت میں بہت پیچھے تھا، مشرق کو حملہ کی دہشت نے بہت دنوں تک تو اس کا موقع ہی نہ دیا کہ وہ مغرب کو ذرا گہرائی کے ساتھ دیکھ سکتا اور اس کے اصول اور جوہر و کمالات سے فائدہ اٹھا سکتا، اور مجھے معاف کیجئے اگر میں یہ بھی کہہ دوں کہ ایک اور بات جو مانع رہی وہ خود مغرب کا تمدن تھا جو اس وقت اپنے شباب و رعنائی کی آخری منزل پر تھا، اور اس کے اندر وہ تمام باتیں تھیں جو کسی ایسے تمدن میں پائی جاتی ہیں جس کے اندر دینی عنصر کمزور ہو چکا ہو، اور ایک بار پھر معذرت کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کے علاوہ ایک اور بات جو مشرق کے لئے مانع ثابت ہوئی وہ یورپین حکام کا طرز عمل تھا، جس میں ان کے احساس برتری، غرور حکمرانی اور اپنے آپ کو پیدائشی طور پر اس قوم کے مقابلہ میں برتر سمجھ کر سلوک کرنے کا دخل تھا، جس کے ہاتھوں سے انہوں نے زمام حکومت چھینی تھی اور جو کل تک ملک کا حکمراں تھا، جس کا احساس زخمی اور جس کے جذبات نازک تھے، یہ سلوک احترام وانسانیت کے اس نظریہ سے کسی طرح میل نہیں کھاتا تھا، جس کا مغرب داعی تھا، اور نہ جمہوریت کے اصول کے مطابق تھا، جس کی یہ فاتح قوم اپنے ملک میں مدافعت کیا کرتی تھی۔

اس خلیج کے چند مضر نتائج

پھر اس کے نتیجہ میں کمزور مشرق کے اندر ہتھیار ڈال دینے (SURAENDAR) اور فاتح و طاقتور مغرب کے سامنے جھک جانے اور اس کے معیار وافکار کو

ضرورت سے کہیں زیادہ اہمیت دینے اور اس کے مظاہر تمدن اور طرز معاشرت کی تعظیم کرنے اور اسی کی تقلید کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا، جس نے اس مشرق کو مغرب کا دریوزہ گر بنا دیا وہ زندگی کی ہر منزل میں اس کو قابل تقلید نمونہ سمجھنے لگا، اور زندگی میں پس خوردہ کھانے والے اور قافلے کے پیچھے پیچھے چلنے والوں کی صف میں آ گیا، اس بات نے مغرب کو ایسا موقع نہیں دیا کہ وہ مشرق کو مساوات واحترام کی نگاہ سے دیکھتا، چہ جائیکہ اس کو عظمت وقدر دانی کی نظر سے دیکھتا یا اس سے رہنمائی یا ہدایت کی توقع کرتا یا اس سے تخلیقی کارناموں کی امید کرتا، جب کہ خود مشرق ہی قریب قریب اپنا وجود مغرب کے اندر فنا کر چکا تھا۔

قومی عصبیت

اس کے بعد مشرقی قوموں پر قومیت کے نظریہ نے یلغار کی وہ نظریہ جس کو مغرب نے عارضی طور پر ایک آسان حل کے طور پر قبول کیا تھا، جو اس کے اندر دینی جوش پیدا کرتا تھا پھر خود ہی مغرب نے اس نظریہ کی خرابیوں کو سمجھا اور اس کو خیر باد کہا، بہر حال اس نظریہ قومیت نے ان مشرقی قوموں کو جو آسمانی پیغام اور عالمی دعوت رکھتی تھیں، اس کا موقع نہیں دیا کہ وہ مغرب کی طرف پھر ایک بار مدد اور دوستی کا ہاتھ بڑھا سکتیں، اور پھر انسانیت کی مدد کے لئے اس طرح بڑھتیں جس طرح ہر مصیبت کیوقت پہلے بڑھا کرتی تھیں، اور انسانیت کو ایک نئی زندگی نیا خیال اور پر مسرت زندگی کی نئی بنیادیں فراہم کر سکتیں، بلکہ یہ قومیں خود ہی اپنی ذات، اپنے مسائل اور قومی مفاد کے معاملات میں الجھ کر رہ گئیں، اور اپنے آپ کو نسلی یا لسانی یا جغرافیہ کی تنگنائی میں محدود کر لیا اور اس طرح وہ قوت وزندگی سے بھر پور، صاف وشفاف، قدیم ورواں سر چشمہ ہاتھ سے نکل گیا، جو دنیا بھر کے لئے

روشنی کا منارہ تھا، اور تاریخ کے ہر دور میں دینی ہدایت کا ذریعہ تھا۔

مستشرقین کی تحریک

مغرب میں اس کے بعد مستشرقین اور تحریک استشراق کا دور آیا، اور امید ہو چلی تھی کہ یہ حضرات مشرق و مغرب کے درمیان مصنفانہ نہج کے ایک پل ثابت ہوں گے، اور اس وسیع و عریض خلیج کو پاٹ دیں گے، جو انسانیت کے دو خاندانوں کے درمیان قائم ہو گئی ہے، اور اس بے رخی کو دور کر دیں گے جسے ناواقفیت اور دوری نے پیدا کر رکھی ہے اور وہ مشرق کی بہترین ثروت یعنی تعلیمات رسالت، بنیادی اخلاق، انبیاء اور دینی شخصیات کی سیرتیں نیز مشرق کی شاندار میراث اور اس کے بہترین تخلیقی سرمائے اور حیرت ناک دستوری کارنامے منتقل کر سکیں گے اور بلاشبہ انہوں نے اس سلسلے میں بہت کچھ کیا، صدیوں کی ذخیرہ شدہ قلمی کتابیں جن کو سورج کی روشنی نہیں لگی تھی، ان مستشرقین نے انہیں زندہ کیا، ان کی تصحیح پر محنت صرف کی ان کو اصل ماخذ سے ملایا اور پھر شائع کیا، اسی طرح ایسی کتابیں مرتب کیں جن کی قدر و اہمیت کا انکار ممکن نہیں اور کوئی شخص بھی جس میں ذرہ برابر انصاف کا مادہ اور علمی ذوق ہے، ان کی علمی روح کا انکار نہیں کر سکتا، انہوں نے اس راہ میں جو مشقتیں برداشت کیں اور اپنی کوشش میں وہ جس طرح سرگرداں رہے، پھر ان کا عالمانہ طرز، باریک بینی اور گہرائی کوئی بات بھی ان میں سے قابل فراموش نہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں کا احساس ہے کہ ان میں سے اکثر مستشرقین پر علمی جذبہ خدمت سے زیادہ مذہبی رجحان غالب رہا، اس لئے علم دوست اور حقیقت پسند طبقہ اس بات کا منتظر تھا کہ یہ حضرات مذہبی جذبات اور گزشتہ صدیوں کے تلخ اثرات سے کچھ زیادہ محفوظ نظر آتے، ان میں حقیقت پسندی، سچائی کی جستجو

اوراس کے اعتراف کا زیادہ حوصلہ ہوتا، بہر حال یہ استشراق بھی باوجود اپنی قابل قدر خوبیوں اور گوناگوں کارناموں کے اس خلاء کو پر نہ کر سکا اور اس مغرب کو جہاں محققین کی کمی نہیں وہ چیز نہ دے سکا جو مشرقی ممالک سے اٹھنے والے عموماً تمام مذاہب اور خصوصاً اسلام کی سچی اور تابناک تصویر تھی جس کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ ایک آخری، آسمانی اور ہمیشہ باقی رہنے والا دین ہے، جس کے اندر تمام نبوتوں کی تعلیمات اور آسمانی ہدایتیں اپنی آخری اور جدید شکل میں موجود ہیں، اور اس زمانے کے عین مطابق ہیں، جو تمدن کو پیچھے لے جانے کی دعوت نہیں دیتا جیسا کہ بعض دوسرے مذاہب میں معلوم ہوتا ہے بلکہ اس تمدن کو اسلام آگے بڑھانے کا داعی ہے، اور اس کا خواہشمند ہے کہ اس کی انتہا پسندی اور جمود یا مبالغہ آمیزی سے پاک کر کے ایک نئے انداز میں ڈھال دیا جائے جو اپنی قوت وزندگی میں نئی سوسائٹی کی ضروریات کا پورا پورا کفیل ہو۔

بہر حال جو بھی اسباب رہے ہوں لیکن یہ واقعہ ہے کہ مغرب ومشرق اپنے پیغام اور اپنی ذات کی انفرادیت کے ساتھ الگ تھلگ رہے، ان دونوں کا سامنا اگر ہوا تو شکوک وشبہات اور بغض وکینہ کے طوفان کے اندر ہی ہوا، یہ دونوں انسانیت کے مفاد مشترک اور مثالی تمدن کی تعمیر کی خاطر کبھی یکجا نہیں ہو سکے، یہ دونوں انسانی علوم اور قدرت کی بخشی ہوئی اندرونی صلاحیتوں اور فطری جوہر اور علم وفلسفہ کے میدان میں پشتوں کی کاوش کے باہم تبادلہ پر شاذ ونادر کبھی راضی ہوئے بھی تو محدود دائرے میں راضی ہوئے۔

مشرق کا امتیاز

مشرق اپنے قدرتی ماحول میں کام کرتا رہا اس کا خمیر مذہب کے ساتھ

اُٹھایا گیا اور اسے قابل عظمت نبوت یکے بعد دیگرے بیدار کرتی رہی، دینی دعوتوں، طاقتور روحانی شخصیتوں نے اس کو غذا دی اس کا موضوع اور میدان عمل انسان تھا، وہ انسان کے گرد وپیش ''انسان سازی'' میں لگا رہا، اس کے لئے اس نے اپنی فطری صلاحیتیں صرف کیں، اپنی ذہانتوں اور قوت ارادہ کو نذر کر دیا، اس نے کوشش کی کہ انسان اس گہرائی کا پتہ لگائے جس کی کوئی تھاہ نہیں ہے، اس کے اسرار کا سراغ لگائے، جس کی کوئی آخری حد نہیں، اس کی اندرونی صلاحیتوں کے سوتوں کو ابھارے، اور اس کی اس قوت کو بیدار کرے جس کا مقابلہ کسی دوسری قوت سے نہیں کیا جاسکتا، اس کے جذبات ورجحانات کو ایک رخ پر لگائے، اور اس کے اخلاق واطوار کو سنوارے جن کے بغیر وہ اپنے صحیح مرکز پر نہیں آسکتا۔

نبوت کی چارہ سازی

انبیاء کرام علیہم السلام اور ان سب کے بعد نبی امی عربی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جنہوں نے اس انسان کی تربیت کو اپنا اول وآخر موضوع بنایا۔

انسان کے اندر کی پوشیدہ طاقت کے سرچشمہ کو ابھارا، اس کی چھپی اور پوشیدہ صلاحیت کو بیدار کیا، اور اس کے دل کی وہ آنکھ کھول دی جس کے ذریعہ وہ اپنے خالق اور اس عظیم کائنات کے مالک کو دیکھ سکے، اور اس کے ذریعہ روشنی وحرارت، زندگی، محبت، اعتماد، عزم، قلبی سکون اور اطمینان حاصل کر سکے، اور جس کے ذریعہ اس کائنات میں وہ زندگی، قوت اور تنظیم کے اصل سرچشمہ سے واقف ہوسکے اور وہ مرکز پاسکے جس سے اس دنیا کی منتشر اکائیوں کو ایک وحدت میں پرویا جاسکتا ہے، اس کے لئے کائنات ایک ایسی اکائی (UNIT) بن جائے جس میں نہ کوئی انتشار ہے، نہ تضاد، نہ انارکی اور نہ یہ دنیا اس چھوٹی چھوٹی خود مختار اور

بے لگام ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے جس کے آپس میں جنگ وجدال کا سلسلہ قائم رہتا ہے بلکہ یہ پوری کائنات ایک مملکت بن جاتی ہے جس کو ایک طاقت ور اور رحم دل ارادہ چلا رہا ہے، جس کے یہاں مشرق ومغرب کی کوئی تفریق نہیں۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا

(المزمل:۹)

''وہ مشرق ومغرب کا مالک ہے کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے، اس کو کارساز ٹھہراؤ۔''

انسانیت کا نیا تصور

اس طرح انسان بت پرستی، دیو پرستی، اوہام وخرافات، من گھڑت کہانیوں، فرسودہ افسانوں اور رسم پرستی کے تمام بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے، اس طرح وہ خالق اور مدبر کائنات کے علاوہ کسی کے آگے بھی سرنگوں ہونے کی ذلت سے نجات پا جاتا ہے، خواہ وہ پتھر ہو یا درخت، دریا ہو یا نہر، آفتاب ہو یا ماہتاب فرشتہ ہو یا انسان، مرد ہو یا عورت۔

دل کی آنکھ جس کو انبیاء علیہم السلام کھول دیتے ہیں، اس سے انسان جب اپنی طرف اور اپنی نوع کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اس عالم میں اللہ کا خلیفہ پاتا ہے جس کے اندر خالق کائنات نے اپنی روح پھونکی ہے، اور اس کو اپنا امین اور رازداں بنایا ہے، اس کو بہترین متناسب اعضاء کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور اس کی عزت افزائی کی، دنیا کی تولیت اور انتظام کا ذمہ دار ٹھہرایا، امامت ورہبری کا تاج پہنایا، دنیا کی ہر شے اس کی خاطر پیدا کی اور اس کو اپنے لئے پیدا کیا، اس کے آگے فرشتوں سے سجدہ کرایا، اور اس طرح اس کے لئے حرام کر دیا

کہ وہ کسی مخلوق کے آگے سرنگوں ہو:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ○ (التین:۴)

''ہم نے انسان کو بہترین و متناسب اعضاء کے ساتھ پیدا کیا۔''

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ○ (بنی اسرائیل:۷۰)

''ہم نے بنی آدم کو اعزاز بخشا اور ان کو بر و بحر میں سواری پر بٹھایا، ان کو پاکیزہ رزق دیا، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی۔''

پھر اس انسان نے اس نبوت کی بخشی ہوئی چشم دل سے جب اپنے ہم جنس انسانوں اور اس انسانی خاندان کو جو روئے زمین پر مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے دیکھا تو اس کو ایک خاندان نظر آیا جو ایک ہی سا وجود رکھتا ہے، ایک ماں اور ایک باپ کی سب اولاد ہیں، اس کو تعلیمات نبوی کی روشنی میں خدا کا کنبہ (عیال اللہ) باور کیا، اور یقین کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ہوگا، جو اس خدائی کنبہ کے لئے سب سے زیادہ مفید و کارآمد ثابت ہوگا اور محسوس کرے گا کہ جس طرح وہ جان اور احساس رکھتا ہے، اسی طرح خاندان بشریت کا ہر فرد زندگی اور حس رکھتا ہے، اور ہر فرد کو اسی طرح درد و الم محسوس ہوتا ہے جس طرح وہ محسوس کرتا ہے، لہذا اس ایک خاندان کے افراد کے درمیان رنگ و نسل، قومیت و وطنیت، دولت و افلاس کی بنا پر تفریق و تمیز دور جاہلیت کی یادگار ہے، اس انسان نے نبی کریم کو ایک طرف رات کی تاریکی اور تنہائی میں خدا کے سامنے ان الفاظ میں گواہی دیتے ہوئے سنا:

أنا شهيد أن العباد كلهم اخوة

”میں گواہ ہوں تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں۔“

دوسری طرف دن کی روشنی میں ایک بڑے مجمع کے سامنے یہ اعلان کرتے ہوئے سنا:

یاأیها الناس کلکم من آدم، وآدم من تراب، لا فضل لعربی علی عجمی، ولا لعجمی علی عربي ولا أبیض علی أسود ولا أسود علی أبیض إلا بالتقویٰ۔

اے لوگو! تم سب لوگ اولاد آدم ہو، اور آدم خاک سے پیدا کئے گئے تھے، نہ عرب کو غیر عرب پر، اور نہ غیر عربوں کو عرب پر کوئی فضیلت یا ترجیح حاصل ہے، نہ گورے کو کالے پر نہ کالے کو گورے پر بڑائی صرف پرہیزگاری سے ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثیٰ وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاکُمْ (الحجرات:١٣)

اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبیلوں اور قوموں میں اس لئے بانٹ دیا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہنچانا جاسکے، تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

انبیاء کی دعوت اور طریقہ کار

انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم نے اپنے اپنے دور میں اور اپنے اپنے حلقہ

دعوت میں اور نبی عربی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے بعد اس انسان کی تربیت پر ساری توجہ مرکوز فرمائی اور یہی کوشش کی کہ انسان کی فطری استعداد و قابلیت کو ابھار دیں جس کا کوئی فلسفہ یا علم النفس (سائیکولوجی) ابھی تک سراغ نہیں لگا سکا، اور نہ اس کی تہہ تک پہنچ سکا ہے، پھر ان صلاحیتوں کو منظّم کر کے اس کی ذاتی اور پوری انسانیت کی اصلاح و درستی کی طرف موڑ دے، انسان کے اندر خدا کو راضی کرنے کی عجیب و غریب محیر العقول تڑپ پیدا کر دی، اس کی طاعت میں مر مٹنے کا جذبہ پیدا کر دیا، اس کی مخلوق کی خدمت کو اس کا نصب العین بنا دیا، انسانوں کے قلوب کو خوش کرنا اور ان کو مصائب سے دور رکھنا، اس کا مقصد زندگی بن گیا، اپنی ذات پر دوسرے کو ترجیح دینے اور اپنی ذات کا بڑی گہرائی اور باریک بینی کے ساتھ محاسبہ کرنے کا شوق پیدا کیا، اخلاص و اخلاق کی وہ تبدیلیاں اس کے اندر پیدا کر دیں جہاں بڑے بڑے ذہین انسانوں کی ذہانتیں نہیں پہنچ سکتیں، اور جس کی تہہ کو اہل علم کا علم نہیں پا سکتا، جس کی باریکیاں ادبی مضامین اور شاعرانہ تخیلات سے زیادہ نازک ہیں جنہیں کسی چھوٹی سی چھوٹی خوردبین سے نہیں دیکھا جا سکتا ہے اور نہ کسی کیمرے سے ان کی تصویر گرفت میں آ سکتی ہے، غرض پیغمبرانہ تعلیم نے انسان کے اندر احساس کی نزاکت، روح کی صفائی، اخلاق کی بلندی، عزت نفس، خود پسندی سے نجات، قدرت رکھتے ہوئے دنیا کی لبھانے والی چیزوں سے بے رغبتی، حوصلہ و فکر کی بلندی، خدا سے ملنے کی تڑپ پیدا کی، ان کے یقین میں قوت عطا کی، ذات و صفات کا وہ گہرا علم بخشا جس کا تصور صرف وہی انسان کر سکتا ہے جس نے ان افراد کی سیرتوں کا صحیح طور پر اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا ہو، خلاصہ یہ کہ نبوت کا سب سے بڑا کارنامہ انسان ہے، اور یہی انسان انبیاء کرام کا محور عمل ہے، ان کی کھیتی ہے، جس میں انھوں نے

تخم ریزی کی جوان کی کاوش جگر سے لہلہا اٹھی اور برگ و بار لائی۔

محض وسائل کافی نہیں

حضرات! مشرق میں انبیاء نے اپنا میدان عمل یہ نہیں بنایا کہ وہ صرف اس کائنات کی پوشیدہ قوتوں کا انکشاف ہی کریں، اس کو قابو میں لائیں، اس سے کام لیں، وہ آلات کے موجد تو نہ تھے، لیکن اچھے ارادہ اچھی نیت اور اچھے مقاصد کے موجد ضرور تھے، جہاں تک قدرتی دولت وصنعت کا تعلق ہے، آپ کو معلوم ہے کہ یہ چیزیں ہمیشہ سے ارادہ انسانی کی تابع اور اس کی رہین منت رہا کی ہیں، لہذا جب بھی انسان کا ارادہ اچھا ارادہ اور اس کا مقصد پاکیزہ مقصد ہو تو وہ اپنی محدود طاقت و دولت معمولی آلات اور کمزور ومحدود وسائل سے بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے، جو اس دور کا ترقی یافتہ تمدن انجام نہیں دے سکتا ہے، اور اس کے ذریعہ وہ انسان اور بنی نوع انسان کی وہ خدمت کر سکتا ہے، جو وہ لوگ انجام نہیں دے سکتے، جن کے پاس وسائل وآلات کا بڑا ذخیرہ ہے، کیونکہ جب بھی کسی چیز کے انجام دینے کا عزم راسخ پیدا ہوگا تو نظر سے اوجھل طاقت سامنے آجائے گی، وسائل بھی پیدا ہونے لگیں گے، مشکلات پر قابو بھی حاصل ہوگا، اور وہ عزم قوی اپنا راستہ پہاڑوں اور سمندروں کا جگر پار کر نکال لے گا، اور اگر حسن نیت اور عزم راسخ ہی حاصل نہیں ہے، تو وسائل بیکار، آلات بے سود ہیں، اور موجدوں کی ایجادیں ضائع ہیں، بھوک اور پیاس کی شدت، ماں کی مامتا، محبت کی بے تابی اور شوق کی فراوانی کبھی اور کسی زمانہ میں بھی زیادہ علم یا آلات کی محتاج نہیں رہی ہے، ہر زمانہ اور ہر دور میں وہ اپنی ضرورت پوری کرتی رہی ہے، اس کو معلوم ہے کہ کس طرح اپنا مقصد حاصل کرے، انبیاء کرام نے اپنے اعلیٰ

کرداراورحسن تربیت سے انسان کے اندرایک ایسا ارادہ پیدا کردیا جس کی وجہ سے وہ مکارم اخلاق کواپنانے اوران کواپنی زندگی کا مقصد بنانے کی اسی طرح تڑپ محسوس کرنے لگا، جس طرح کوئی بھوک اور پیاس کا مارا، محبت کرنے والی ماں، یا عاشق بے تاب محسوس کرتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی راہ خود آسان ہوگئی، اور وسائل خود بخود حاصل ہونے لگے، جو اس زمانہ کے اعتبار سے کافی تھے، اور اس طرح وہ تمدن وجود میں آیا، جس میں انسان نے امن وراحت اور سر بلندی و سرفرازی کا زیادہ سے زیادہ حصہ پایا، وہ تمدن بلا شبہ محدوداور سادہ تھا اس میں کوئی پیچیدگی نہ تھی، نہ کوئی فلسفیت تھی، مگراس کے اندر مستقبل میں ٹھوس اور صحیح بنیادوں پر ترقی پذیر ہونے اور وسعت پانے کی پوری گنجائش تھی۔

یورپ کی نشأۃ ثانیہ

اس کے بعد مغرب کی سرگرمیٔ عمل، ایجادات اورنشأۃ ثانیہ کا دور آیا، مگر اس وقت مذہبی پیشواؤں کی بہت عرصے تک غلط نمائندگی اور ناجائز مذہبی اجارہ داری کے سبب اس کا رشتہ اخلاق و مذہب سے کمزور پڑ چکا تھا، اس گہرے تعلق کے کمزور پڑ جانے کی وجہ سے نیز اقتصادی دباؤں، سیاسی حالات اور یورپ کے محدود رقبے میں تنازع للبقاء کی کشمکش کی شدت کی وجہ سے مغرب کی توجہ انسان کے بجائے انسانی ماحول اور انسان کی گرد وپیش کی دنیا پر مرکوز ہوگئی، اس نے ذات انسانی کو چھوڑ کر، عالم انفس کو چھوڑ کر، آفاق اور قلب کو چھوڑ کر نظام قدرت کو اپنا محور عمل بنایا، اس نے معدنیات، علم الکیمیا، کیمسٹری، طبیعات (فزکس) ٹکنالوجی، ریاضی اور دیگر علوم وفنون کے میدان میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں اور ناقابل انکار کامیابیاں حاصل کیں، اور یہ بھی نظام الٰہی ہے کہ انسان جس

شے کی جستجو کرتا ہے، اور اس کے لئے سرگرداں ہوتا ہے، وہ اس کو مل جاتی ہے، اور اس پر قابو حاصل ہو جاتا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝
ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰى ۝

(النجم: ۴۱-۳۹)

''آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا اور یہ کہ اس کی کمائی اس کو دکھائی ضرور ہے پھر ان کو بدلہ دینا ہے اس کا پورا بدلہ۔''

اور ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل۔۲۰)

''ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں، ان کو اور ان کو تیرے رب کی بخشش میں سے اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں روک لی''

یورپ کی مادی فتوحات

لہٰذا مغرب نے کائنات، صنعت وحرفت، ریاضی وانجینئرنگ کے علوم میں کامیابی کی اعلیٰ منزلیں طے کیں، ایجادوں پر ایجادیں کرتا رہا، فتوحات پر فتوحات اسے حاصل ہوتی رہیں، یہاں تک کہ آج اس منزل پر پہونچ چکا ہے، جس کا گذشتہ صدیوں میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، اور جس کی تفصیل کی یہاں حاجت نہیں، اور نہ مثالوں کی ضرورت ہے، کیونکہ بلا شبہ یہ ملک علوم جدیدہ کا ایک ممتاز ترین علمبردار ہے، مغربی تمدن کا یہ ایک ممتاز مرکز ودارالحکومت ہے، خود یہ عظیم مرکز علمی (لندن یونیورسٹی) جس میں مجھے اس تقریر کا شرف حاصل ہو رہا

ہے، اس تمدن کی ترقی و تعمیر میں اپنی دوسری ہم مشرب درسگاہوں کے ساتھ علوم وفنون کی سرپرستی کرنے میں نمایاں حصہ لیتا رہا ہے، ان اداروں نے وہ اسباب فراہم کئے ہیں، جن کے مظاہر سائنس اور صنعت کے میدان میں نظر آتے ہیں، لہٰذا اس موضوع پر زیادہ تفصیل بے سود اور اضاعت وقت کے مرادف ہوگی۔

بلاشبہ یہ اسباب و وسائل فراہم ہو گئے، اور یہ اللہ کی نعمت ہے جس کی ناقدری نہیں کی جاسکتی، ان اسباب و وسائل کا ایک انبار آج نگاہوں کے سامنے ہے، ان کا مقصد وجود یہ ہے کہ کسی کام کا یہ وسیلہ اور آلہ ثابت ہوں، بے پایاں قوت، حیرت ناک سرعت کے ساتھ مقصد براری کے وسائل جو آج حاصل ہیں، ان سے بہت کم درجہ کی چیزیں بھی پوری انسانیت کی خوشحالی کا باعث ہو سکتی تھیں، ان سے بہت کم اسباب و وسائل کے ذریعہ انسان کو پر مسرت زندگی بخشی جاسکتی تھی، عالمی امن اور سکون خاطر بھی حاصل ہو سکتا تھا، یہ ممکن تھا کہ ان کے ذریعہ محبت والفت کی فضا دنیا میں قائم ہو جاتی، لوگ ایک دوسرے کو سمجھتے اور تعاون کرتے، انسانیت کے مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے خاندان کی شاخیں آپس میں مصنوعی دیواریں منہدم کرسکتیں، آج دنیا کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا انسان دنیا کے دوسرے کنارے کے بسنے والے انسان کی مدد کرسکتا ہے، اس کے دل کی دھڑکنیں سن سکتا ہے، اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے، ظالم کو ظلم سے روک سکتا اور مظلوم کی مدد کرسکتا ہے، پریشان حال کی فریاد پر پہنچ سکتا اور ننگے بھوکے اور بیمار کی مدد کرسکتا ہے، کیونکہ جہالت اور انسانی کمزوری کی بنا پر جو معذوریاں تھیں وہ ختم ہوگئیں، جس کا شکوہ گزشتہ نسلیں کرسکتی تھیں، اب وہ آلات و وسائل موجود ہیں، جن سے انسان پلک جھپکتے اپنی ہر خواہش پوری کر لیتا ہے، اب تو بھلائی کا کام کرنے والے کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہا، انسانیت کے بہی خواہ، امن کے رہنما کس

چیز کی کمی کا گلہ کر سکتے ہیں؟ کوئی فرد ہو یا حکومت یا سوسائٹی۔

وسائل کی ناکامی

یہ آلات و وسائل تو اس کام کے لئے بالکل کافی تھے کہ مصائب و خطرات سے گھری اور زخموں سے چور انسانی دنیا کو جنت ارضی میں تبدیل کر دیتے جہاں نہ کوئی مصیبت ہو نہ مشقت، نہ مستقبل کا خوف نہ ماضی کا غم، نہ آپس کی جنگیں ہوں نہ دلوں کی کدورتیں نہ افلاس ہو نہ مرض، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا ان میں سے کوئی انسانی غرض پوری ہوئی، کیا دنیا سے خوف و اضطراب کا وجود مٹ گیا، کیا افلاس و پریشانی کے بادل چھٹ گئے؟ کیا اب انسانوں پر ظلم وزیادتی نہیں ہوتی، کیا امن وسلامتی دنیا کو حاصل ہوگئی کیا لوگوں میں اعتماد پیدا ہوگیا؟ اور آخر میں یہ کہ کیا جنگ کا بھیانک اور خوفناک سایہ ہمیشہ کے لئے دور ہوگیا اور اس کا دیو سرکش آخری موت مر گیا، مجھے اس کی ضرورت نہیں کہ ان سوالات کے لئے آپ کے جواب کا انتظار کروں کیونکہ یہ عظیم الشان شہر دو تباہ کن و جہاں سوز جنگوں کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا اور اس کی بربادیاں اور تباہ کاریوں کا نشانہ بن چکا ہے، اور آج ہم سب ایٹمی دور سے گزر رہے ہیں، اس ملک کے مفکروں اور مصنفوں نے خود ایسی کتابوں سے ایک عظیم الشان کتب خانہ تیار کرلیا ہے جس میں اس تمدن کی لائی ہوئی مصیبتوں کی بڑی باریک بینی سے تصویر کشی کی گئی ہے، اس سوسائٹی کی مصیبت و بربادی کا رونا رویا ہے، اخلاقی انارکی خاندانوں کی پراگندگی، بے چینی و اضطراب کا عام ہونا خوف و دہشت کا چھا جانا ان لکھنے والوں کا موضوع بن گیا ہے، یہ لوگ جو لکھ چکے ہیں اور لکھ رہے ہیں، یہ اپنی جگہ بالکل کافی اور بہت مدلل ہے۔

غلطی کہاں ہورہی ہے

آخر یہ نتائج ان آلات ووسائل سے کیونکر برآمد ہوئے؟ حالانکہ آلات و وسائل تو گونگے، بہرے ہیں، ان کے اندر کوئی ارادہ نہیں ہوتا، یہ تو خدمت خلق اور نفع رسانی میں استعمال کئے جانے کے لئے ہر وقت تیار ہیں، اس سوال کا جواب کسی راز کا انکشاف نہیں ہے، اور نہ کسی پہیلی کا بوجھنا ہے، نہ اس میں کسی غیر معمولی ذہانت اور قوت فکر یہ کی ضرورت ہے، سادہ سی بات ہے کہ جس قدر انسانی علوم وفنون نے ترقی کی، اس قدر خود انسان نے ترقی نہیں کی، آلات اور ادارے تو بہت ترقی کر گئے، لیکن انسانی رجحانات اور انسانی ارادوں میں کوئی بہتری اور سدھار پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ علوم وفنون نے اخلاق و انسان کا حق مار کر ترقی کی منزلیں طے کرلیں، قلب و روح کا حق مار کر کارخانوں اور فیکٹریوں نے بلندی حاصل کرلی۔

آج انسانیت کا دماغ زندہ لیکن دل مردہ ہے

اس کا سبب یہ ہے اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مغرب نے اپنی سرگرمیٔ عمل ذہانت، قوت ارادی کا دائرہ انسان کے باہر کی دنیا کو بنایا اور اس عالم خارجی پر اپنی ساری جدوجہد قربان کردی اور انسان کو نظر انداز کرڈالا، وہ انسان جو اس دنیا کا گل سرسبد ہے، مقصد وجود ہے، اور دست قدرت کا سب سے اعلیٰ شاہکار ہے، وہی اس ترقی سے محروم رہا، اگر نفسیات وطبعیات وعلم الحیاۃ (بیالوجی) نے کبھی اس پر توجہ بھی کی تو انتہائی محدود اور مادی انداز میں، اس انسان کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی گئی، اور اس کی فطرت کو بے نقاب نہیں

کیا جاسکا، اس کی خصوصیات ایمان وعقیدہ اور اخلاق کو سنوار نے کی کبھی فکر نہیں کی گئی۔

انسانیت کا قفل صرف ایمان کی کنجی سے کھلتا ہے

ان ماہرین فن کے ہاتھ وہ سرا نہیں آیا، جہاں سے انسان کا رخ موڑا اور صحیح جگہ سے جوڑا جاسکتا ہے، شر وفساد سے روکا اور بھلائیوں کی طرف مائل کیا جاسکتا ہے، وہ سرا قلب ہے کہ جب وہ ٹھیک ہو تو انسان ٹھیک ہو جائے اور اگر وہ بگڑا تو پورا انسان ہی بگڑ گیا، مگر افسوس کہ مغرب اگر چاہے بھی تو اس دل کی دنیا کا سراغ نہیں لگا سکتا، اس سے فائدہ اٹھانا اور انسانیت کو راہ راست پر لگانا تو اور بھی ناممکن ہے، کیونکہ ہر قفل اسی چابی سے کھلتا ہے جو اس کے لئے بنائی گئی ہے، اس دل کے خزانے کا بھی ایک قفل ہے، جس کی چابی ان دیو پیکر کارخانوں اور محیر العقول دانش کدوں میں تیار نہیں ہوسکتی، اس کو دنیا کے بڑے سے بڑے جینیس سائنسداں نہیں ڈھال سکتے، نہ اس کا ثنیٰ بنا سکتے ہیں، اور نہ قفل ہی کو توڑ سکتے ہیں، کیونکہ یہ انسانیت کا قفل ہے، بینکوں اور کارخانوں کا قفل نہیں ہے، یہ تو صرف ایمان ہی کی چابی سے کھل سکتا ہے، جو صرف نبوت کا تحفہ ہی تھا، مگر وہ آج کھویا ہوا ہے، نئے تمدن کی کہنہ دیواروں اور عبادت گاہوں کے ملبوں کے نیچے کہیں یہ چابی دبی پڑی ہے۔

بنیادی خرابی کیا ہے؟

انسانیت کی مصیبت مغرب کے مشرق سے جدا ہونے میں ہے، علم کو ایمان سے علیحدہ کردینے میں ہے، کارخانوں کے صحیح مقاصد اور بہتر ارادوں کے

تہی مایہ ہونے میں ہے، اس علیحدگی اور دوری نے ہمارے تمدن کو ہر طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیا ہے، مشرق میں ایمان بڑھتا اور پروان چڑھتا رہا، مغرب میں سائنس بڑھتا اور پروان چڑھتا رہا، ایمان کو علم کی رفاقت کی ضرورت ہے، اور علم کو ایمان کی سرپرستی اور نگرانی کی حاجت، اور انسانیت ان دونوں کی رفاقت اور تعاون کی طالب اور منتظر ہے، کہ ایک نئی سوسائٹی کی تعمیر ہو، نئی نسل تخلیق پائے، امن عالم اور سلامتی کی توقع اس قران السعدین کے بعد ہی کی جا سکتی ہے۔

مشرق کی سوغات

مشرق کی دولت وہ پٹرول نہیں ہے، جسے لوگ زر سیاہ کہنے لگے ہیں، اور جو آپ اپنے بڑے بڑے شہروں میں منتقل کرتے ہیں، اور جو ہوائی جہازوں کو اڑاتا اور موٹروں کو چلاتا ہے، مشرق کا عطیہ اور ہدیہ اس کی سب سے بڑی دولت ایمان ہے جس کا ایک حصہ آپ نے عیسوی جنتری کی ابتداء میں حاصل کیا تھا، پھر آپ کے عیسوی کلنڈر کے حساب سے چھٹی صدی میں اس کا چشمہ ایسے جوش وطاقت کے ساتھ ابلا جس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں، یہ چشمہ جزیرۃ العرب کے ایک دور دراز گوشے سے ابلا تھا، لیکن پھر ساری دنیا میں اس طرح پھیل گیا کہ بقول شاعر ؎

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

جو اب بھی آپ کے لئے سہل الحصول ہے، بشرطیکہ اخلاقی جرأت اور عزم صادق ہو، اور وہ اب بھی اس کی پوری صلاحیت رکھتا ہے کہ ان تمام مصائب کو دور کرے جس سے یہ تمدن دوچار ہے، اس سرچشمہ میں آج بھی یہ

قدرت ہے کہ اپنی بے پایاں طاقت اور اتھاہ نشاط زندگی سے زندگی کی ایک نئی اور شاندار قسط عطا کرسکے، اور جس کے ذریعہ انسانی فلاح وترقی کا ایک نیا دور شروع ہوسکتا ہے، اور ایک نئی سوسائٹی وجود میں آسکتی ہے، اس کارِ عظیم کی ذمہ داری آپ پر سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے کہ آپ ہی اس تمدن کے سب سے بڑے علمبردار اور ایک عرصے تک مشرق میں بھی اس کے پیغام وروح کے حائل رہ چکے ہیں، آپ کے اندر اب بھی وہ بڑی طاقت اور زندگی پوشیدہ ہے جس سے آپ ایک نیا دور شروع کرسکتے اور تاریخ کو نئی راہ پر لگا سکتے ہیں، قرآن مجید آج بھی آپ کو آواز دے رہا ہے:

قَدْ جَاءَ كُم مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْن " (المائدۃ:۱۵)

(ترجمہ: ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی)

عصری تعلیم حاصل کرنے والے مسلم نوجوانوں سے

یہ تقریر ۱ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو لندن میں اسلامک سنٹر کے زیر اہتمام منعقد کئے گئے ایک جلسہ میں کی گئی تھی، جس میں ہندوستان، پاکستان، اور عرب ممالک کے نوجوانوں کی بڑی تعداد شریک تھی، یہاں پر ''مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں'' سے نقل کی جارہی ہے۔

مستقبل کی پیشین گوئی

میں نہ کوئی ولی ہوں نہ پیمبر، نہ مجھے بزرگی کا دعویٰ ہے نہ پیشین گوئی کرنے کا شوق، لیکن میں اس وقت ضرور ایک پیشین گوئی کرنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ آپ کے اس مجمع میں بہت سے ایسے نوجوان ہیں، جو اپنے اپنے ملکوں کی زمام قیادت ہاتھ میں لیں گے، اور وہاں کی بڑی اہم ذمہ داریاں سنبھالیں گے، آپ یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، لیکن آپ کے ملکوں میں قیادت کی مسندیں اور رہنمائی کی کرسیاں آپ کی منتظر ہیں، میں آپ کی روشن پیشانیوں کی لکیروں اور خطوط میں آپ کے درخشاں مستقبل کو دیکھ رہا ہوں کسی زمانہ میں کسی ملک کی قیادت حاصل کرنے کے لئے اور کسی ملک وقوم کو اپنے اقتدار وانتظام میں لینے کے لئے زور بازو اور تلوار کے جوہر کی ضرورت تھی، سکندر اور چنگیز وہلاکو نے نوک شمشیر سے دنیا فتح کی اور قوموں کو مسخر کیا، اب اس کے لئے جنگی قوت کافی نہیں، اس وقت قیادت اور اقتدار کے لئے علم کی طاقت کی ضرورت ہے، اس وقت دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک اور خود اسلامی ممالک جمہوریت کے جس راستہ پر چل رہے ہیں، اور جن حالات ومسائل کا ان کو سامنا ہے، ان کو دیکھ کر یہی انداز ہوتا ہے کہ ان ملکوں کی سربراہی اور ان کی قیادت وہی لوگ کریں گے جو جدید علوم سے واقف ہیں، مغربی زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں، اور جن کو جدید جمہوری نظام میں اقتدار کے منصب تک پہنچنے کے لئے ضروری وسائل ومواقع حاصل ہیں، اس کی بناء پر امید کی جا سکتی ہے کہ آپ اپنی ان صلاحیتوں اور خصوصیتوں کی وجہ سے ذمہ داری کی ان جگہوں تک پہنچیں گے، اور آپ کو اپنے ملک وقوم کی خدمت کرنے کا موقع ملے گا، یہ آپ کے لئے ایک بڑا نازک امتحان ہے، ان

ملکوں کی قسمت بڑی حد تک آپ سے وابستہ ہے، اور ان کے مستقبل کا انحصار آپ پر ہے۔

دنیائے اسلام کا مسئلہ

آپ جن ملکوں سے آئے ہیں، اور جہاں آپ کو اپنی تعلیم کی تکمیل کر کے واپس جانا ہے، یہ ملک عرصہ سے مسلمان ملک ہیں، اور وہ اب بھی اپنے اسلام پر قائم ہیں، اور آئندہ بھی ان کا اسلام پر قائم رہنے کا ارادہ ہے، یہ اسلام ان کو بڑی قربانیوں سے حاصل ہوا ہے، اس لئے ان کو انتہائی عزیز ہے، اور ان کی نظر میں نہایت قیمتی ہے، ان ملکوں میں مسلمانوں کی بڑی عظیم تعداد ہے، ان میں سے بہت سے ممالک اپنی آبادی اور مردم شماری کے لحاظ سے یورپ کے بڑے بڑے ملکوں سے بھی بڑے ہیں، اس عددی قوت و کثرت کے ماسوا یہ ملک خدا کی پیدا کی ہوئی دولتوں، ذخیروں اور بیش بہا خزانوں سے مالا مال ہیں، یہ وہ قدرتی دولتیں اور خزانے ہیں جن کے بغیر مغرب کی گاڑی بھی نہیں چلتی، انہوں نے موجودہ سائنس اور ٹکنالوجی کی نئی طاقت بخشی ہے، اس مواد خام کے لحاظ سے کوئی ملک اسلامی ممالک کا ہمسر نہیں۔

اسی طرح سے ان ملکوں کی مسلمان اقوام انسانی صلاحیتوں، زندگی کی توانائیوں اور اخلاقی طاقتوں سے بھرپور ہیں، ان میں اب بھی ایسی قوت عمل، جذبہ قربانی، ذوق ایثار، وفاداری اور جاں نثاری کا جذبہ ہے، جو دنیا کی کسی قوم میں پایا نہیں جاتا۔

جن لوگوں نے دنیا کی سیاحت کی ہے، اور دنیا کی مختلف قوموں اور عوام کا تجربہ رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان اسلامی ممالک کے مسلمان عوام سے کہیں

کے عوام بہتر نہیں، ان میں بھی زندگی کا شعلہ فروزاں ہے، وہ ابھی بھی کسی مقصد کے لئے جان دے سکتے ہیں، اگر ان کو صحیح قیادت مل جائے تو وہ اب بھی دنیا کی ایک عظیم طاقت بن سکتے ہیں، ان کا سا خلوص، ان کی سی سادہ دلی، ان کا اعتماد، ان کی گرم جوشی اور ان کا جذبہ اطاعت اب بھی کسی قوم میں پایا نہیں جاتا، لیکن یہ انتہائی افسوسناک حقیقت ہے کہ ان کی یہ صلاحیتیں عرصہ سے ضائع ہو رہی ہیں، ان ملکوں کی قیادتیں (LEADERSHIP) ان سے بالکل بے خبر ہیں، ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کو راہ پر لگانے کی ان میں نہ صلاحیت ہے نہ آمادگی۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ اس وقت دنیائے اسلام کا سب سے اہم اور عمومی مسئلہ کیا ہے تو میں ادنیٰ توقف کے بغیر کہوں گا کہ مسلمان عوام اور ان کے قائد ہیں، رہنماؤں کا فرق و تفاوت اور وہ ذہنی کشمکش جو عوام و خواص کے دو طبقوں میں اس وقت ہر اسلامی ملک میں برپا ہے، عوام مسلمان ہیں وہ اسلام پر ہی جینا اور مرنا چاہتے ہیں، وہ مذہبی زبان و اصطلاحات کے سوا کچھ نہیں سمجھتے، خدا اور رسول، آخرت اور جنت، جہاد اور شہادت، رضائے الٰہی اور اجر و ثواب کے سوا ان کے لئے کوئی چیز کشش اور معنونیت نہیں رکھتی، مذہبی دعوت اور نعرے کے سوا کوئی چیز ان کے خون میں گرمی، ان کے جسم میں حرارت اور ان کے اندر سرشاری اور بے خودی کی کیفیت نہیں پیدا کر سکتی، اور نہ انہیں ایثار و قربانی پر آمادہ کر سکتی ہے، یہی وہ اپیل تھی، اور یہی وہ نعرہ تھا جس نے الجزائر کے مسلمانوں کو بے خود بنا دیا، اور ان سے وہ قربانی کرائی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اسی کے سہارے ہر ملک کی جنگ آزادی لڑی گئی، یہ مسلمان شریعت اور اسلامی قانون سے محبت رکھتے ہیں، اور ان کے اعلیٰ اور افضل ہونے کے قائل ہیں، ان کو اسلامی معاشرت اور تہذیب سے محبت ہے وہ اپنے ان ملکوں میں شریعت کے احکام کو نافذ، اسلامی

زندگی کو رائج دیکھنا اور اللہ کے نام کا بول بالا چاہتے ہیں، اور اس کے سوا ان کو کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔

ایک عظیم المیہ

لیکن بد قسمتی سے جس طبقہ کے ہاتھ میں ان کی قیادت ورہنمائی ہے، اور جو ان کے گلہ بان اور راعی بنے ہیں، ان کی تعلیم وتربیت اس ماحول، ان عقائد وجذبات اور ان تمناؤں سے بالکل الگ ماحول میں ہوئی ہے، ان کے ذہن کا سانچہ بالکل الگ تیار ہوا ہے، ان کی تعلیم وتربیت انہیں شہروں میں ہوئی جہاں آپ اس وقت پڑھ رہے ہیں، ان کے اساتذہ مغرب نے ان کے ذہن پر یہ بات نقش کردی ہے کہ اسلام کا دور ختم ہوگیا، اس نے اس محدود ماحول اور غیر ترقی یافتہ دنیا میں جس میں اس کا ظہور ہوا تھا، کسی قدر مفید خدمت انجام دی، لیکن اب اس ترقی یافتہ دنیا اور اس وسیع معاشرہ کے لئے اس کے پاس کوئی پیغام نہیں، اور اب وہ اس بدلی ہوئی دنیا میں کسی طرح فٹ نہیں ہوسکتا، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ قومیں تو ایسی پرجوش مسلمان ہوں کہ ان میں آج بھی محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر اور محمد فاتح پیدا ہوسکتے ہیں، لیکن جو لوگ قوموں کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں، ان کا اسلام پر سے اعتماد اٹھ چکا ہے، اور وہ اسلام کے مستقبل سے مایوس ہیں، اور ان کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں، یہ لوگ یورپ کی تعلیم گاہوں میں اس لئے آئے تھے کہ یورپ سے ایسے وسائل و ذرائع حاصل کریں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے، یہ یورپ اس لئے آئے تھے کہ یہاں سے سائنس ٹکنالوجی صنعت اور اس طرح کے دوسرے فنون حاصل کریں جن میں یورپ کو مشرق پر پورا تفوق حاصل ہے، پھر وہ انہیں اسلام کے لئے مسخر

کریں اور اسلامی مقاصد کا تابع اور خادم بنائیں۔

نئی نہر سوئز کی ضرورت

وہ یورپ اس لئے آئے تھے، کہ یہاں سے علم حاصل کر کے مشرق ومغرب کے درمیان ایک نئی نہر سوئز بنائیں، ایسی نہر سوئز جو مشرق ومغرب کے درمیان مساویانہ ومشترک تبادلہ کا ذریعہ بنے، ایسی نہر جو مشرق سے ایمان ویقین اور عمل صالح کی دولت مغرب کو پہنچائے اور مغرب سے اس کے بے ضرر اور صالح وسائل زندگی مشرق کو منتقل کرے، لیکن افسوس ہے کہ جن لوگوں سے اس کام کی توقع تھی، اور جن کو یہ فرض انجام دینا تھا، وہ مغرب کے محض نقال بن کر رہ گئے تھے، ان کا کارنامہ ہر قسم کی ذہانت، جدت، جرأت اور مجتہدانہ قابلیت سے عاری ہے، وہ امام اور پیشوا بننے کے بجائے مغرب کے محض مقلد اور اس کے خیمہ دار ثابت ہوئے۔

بقول علامہ اقبالؔ: ؎

کرسکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

یورپ میں تعلیم پانے والے نوجوانوں کی ذمہ داری

عزیز نوجوانو! آپ مغرب اس لئے نہیں آئے کہ آپ موم کی طرح پگھل جائیں، آپ اس لئے آئے ہیں کہ ایک نیا عالم تعمیر کریں، ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اور ان کے پیرو ہی ایسا عالم تعمیر کر سکتے ہیں، جن پاکباز، امانت دار ہاتھوں نے حرم تعمیر کیا، انہیں کے نام لیوا اور انہیں کے پیرو نئے عالم کی تعمیر کر سکتے ہیں،

آج دنیا زبان سے یہ کہہ رہی ہے ۔ ع

معمار حرم باز بتعمیر جہاں خیز

آپ کو نقالی سے بلند ہونا چاہئے

آپ مغرب اس لئے ہرگز نہیں آئے ہیں کہ یہاں سے واپس جا کر اہل مشرق کو طوطوں کی طرح رٹا رٹایا سبق سنائیں، بندروں کی طرح نقلیں بنائیں، مشرق کو ایسے صاحب ہمت اور صاحب دانش انسانوں کی ضرورت ہے، جن میں ایسی جرأت ہو کہ وہ مغرب سے کہہ سکیں کہ تو نے یہاں یہاں غلطی کی جو اس کے پورے نظام زندگی سے اعلان بغاوت اور اعلان جنگ کر سکیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ میں کہہ سکیں:

کَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَداً حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ۔ (سورہ الممتحنہ: ۴)

''ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے بغض وعداوت ظاہر ہو گیا، جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔''

لیکن وہ لوگ جن کو ایک ہی بات کہنی آتی ہو کہ مغرب نے تو سب صحیح کیا یہ لوگ مشرق کے کام نہیں آسکتے۔

اس وقت مشرق کو ان بلند حوصلہ، بیباک اور جری نوجوانوں کی ضرورت ہے، جو مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ملا سکیں۔

مغرب کے ان غاشیہ برداروں کی کوئی قیمت نہیں، جنھوں نے مغرب کو اپنے سروں پر سوار کر لیا ہے، وہ مغرب کے سامنے سر جھکاتے ہیں، اور مشرق کو اپنے پیروں تلے روندتے ہیں، ترکی، انڈونیشیا اور مصر وغیرہ کے موجودہ قائد کسی

مجتہدانہ کرداراور کسی تخلیقی قابلیت کا ثبوت نہیں دے سکے، آپ کی منزل ان سے بہت آگے ہونا چاہیئے، انہوں نے مغربی اقتدار وافکار کے قدموں پر سب کچھ قربان کردیا، اوراس کے بدلہ میں مشرق کے لئے جو بھیک حاصل کی وہ قربان کی ہوئی دولت کے آگے کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

صرف سائنس داں اورانجینئر ہونا کافی نہیں

عزیزو! آپ کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ آپ کو جنہوں نے یہاں بھیجا ہے، ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ آپ صرف اچھے سائنس داں، اچھے ٹیکنیشین، اچھے انجینئر، اچھے آرٹسٹ اور مغربی زبانوں اورادبیات کے اچھے ماہر بن کر جائیں۔

اگرآپ صرف سائنس داں، صرف انجینئر اور صرف قانون داں بنے تو آپ نے ملک کو صحیح فائدہ نہیں پہنچایا، آپ کو ان علوم میں مجتہدانہ قابلیت پیدا کرنی چاہیئے اگرآپ قانون کے طالب علم ہیں تو آپ کو اسلامی قانون پر عبور حاصل کرنا چاہیئے، اور دنیا کے اصول قانون کا گہرا مطالعہ کرکے اسلامی قانون کی برتری ثابت کرنی چاہیئے، آپ کو اپنے ملکوں میں جا کر کہنا چاہیئے کہ مغرب کا کس قدر برا حال ہے، وہ اس وقت پکے ہوئے پھل کی مانند ہے، جو کسی وقت بھی گرنے والا ہے۔

اگرآپ نے مشرق میں جا کر کہا کہ مغرب سرتاپا خیر اور سراسر بے عیب ہے تو آپ نے اپنی قوم کو دھوکا دیا، اور ایک خلاف واقعہ بات بیان کی، آپ کو یہاں سے واپس جا کر اپنے بھائیوں کو بتانا ہے کہ مغرب کے پاس کیا خوبیاں ہیں؟ اس کی قوت کا کیا راز ہے، اوران کی زندگی کے کون سے پہلو قابل تقلید ہیں؟ اس طرح مغرب کی کون سی بیماریاں ہیں، جو اس کے درخت کو گھن کی طرح

کھاتی جارہی ہیں، وہ آج کس اخلاقی جذام میں مبتلا ہے، ہمیں اس کی کن کن چیزوں سے پرہیز کرنا ہے، اوراس کی کون سی چیزیں ہیں جن میں مشرق کواس کی تقلید کرنے کی ضرورت نہیں، اور جس کا مغرب سے طاقت اوراقتدار سے کوئی تعلق نہیں۔

ابھی آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں

اگر میں یہ بات دہلی، کراچی یا قاہرہ میں جا کر کہتا یا کسی اورمشرقی شہر کے قائدین کے سامنے پیش کرتا جواپنی فکراور تربیت میں پختہ ہو چکے ہیں تو یہ بعد از وقت بات ہوتی، وہاں یہ باتیں کہنے کا وقت نکل چکا ہے، ذہن وفکراور قلب و دماغ کے سانچے یہاں ڈھلتے ہیں، اور وہاں جا کراپنا عمل شروع کرتے ہیں، اس لئے کہنے کی جگہ وہی ہے جہاں یہ سانچے بنتے ہیں، ابھی یہاں اس بات کا وقت نہیں نکلا، یہ سبق دراصل یہیں سنانے کا ہے، آپ ہی کواپنے ملکوں کا قائد ورہنما بننا ہے، آپ ہی کواپنی قوم کی تعمیر کرنی ہے، اگر آپ کواپنی قوم کی عظیم صلاحیت اور قیمت کا احساس یہیں پیدا ہو جائے، اور آپ کے دل میں اسلام کی زندگی کی صلاحیت اوراس کی اندرونی طاقت اوراس کی افادیت پراعتماد پیدا ہو جائے تو آپ نے سب کچھ پالیا۔

دعوت عمل

آپ کو جو ملک سپرد کئے جارہے ہیں وہ بہت بڑے بڑے اوراہم ملک ہیں، اتنی بڑی سوسائٹی اور قوت کسی کو نصیب نہیں، آپ ان ملکوں کی اقتصادیات ان کی دولتوں اور ذخائراوران کی انسانی صلاحیتوں کا جائزہ لیجئے اورانکا نیا نقشہ

بنائیے، اپنے علم وفن سے پورا فائدہ اٹھائیے، اور اسلامی مقاصد کے لئے ان کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنائیے، بے لوث اور بے غرض خدمت کی مثال قائم کیجئے، اگر آپ نے ایسا کرلیا اور آپ نے اسلامی قیادت کا صحیح مقام حاصل کیا تو آپ کو دنیا اور تاریخ میں وہ مقام حاصل ہوگا، جو نہ کمال اتاترک کو حاصل ہوا، نہ جمال عبدالناصر کو، نہ بن بلہ اور احمد سوکارنو کو، نہ دوسرے اسلامی ممالک کے قائدین کو۔

یہ محبوبیت واعتماد احیاء ملت، اعلائے کلمۃ اللہ، اور بے لوث و بے غرض خدمت کا مقام ہے، جو تاریخ میں بڑے نصیب والوں کو حاصل ہوتا ہے، اس طرح یہ ملک اس ذہنی، اخلاقی اور طبقاتی کشمکش سے بھی نجات پائیں گے، جس میں ان قومی رہنماؤں نے ان کو بالکل غیر ضروری طریقوں پر مبتلا کردیا ہے، جو ان قوموں کے مزاج معتقدات وروایات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔

اپنے کو پالیجئے

آپ اپنی اور اپنی قوموں کی صلاحیتوں سے آشنا بنئے، خود اپنی ہستی، اپنی ترقی اور فتوحات کے عظیم اور وسیع امکانات کا انکشاف کیجئے، اور اپنی نامعلوم نئی دنیا کو دریافت کرکے ایک انقلاب پیدا کیجئے۔

آپ مجھے یا میری باتیں سمجھیں یا نہ سمجھیں اپنے کو سمجھنے کی کوشش کیجئے، اور اپنے کو پالیجئے ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر بنتا نہیں میرا نہ بن اپنا تو بن

(ترجمہ: محمد الحسنیؒ)

سیاسی آزادی لیکن تہذیبی غلامی

یہ تقریر ۲۶؍جون ۱۹۶۹ء کولیڈس یونیورسٹی کے یونین ہال میں کی گئی تھی، ہال برصغیر ہند وپاک کے طلبہ اور عرب نوجوانوں سے بھرا ہوا تھا۔یہاں پر ''مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں'' سے نقل کی جارہی ہے۔

سیاسی آزادی لیکن تہذیبی غلامی

خطبہ مسنونہ کے بعد!

مجھے بڑی مسرت ہے کہ آج آپ کی موقر یونیورسٹی میں آپ سے گفتگو کرنے کا موقع مل رہا ہے، مجھ جیسا طالب علم اور ایک ایسا آدمی جو خاص خیالات رکھتا ہے، اور کچھ باتیں اپنے عزیز دوستوں سے کہنا چاہتا ہے، وہ ایسے موقع کو غنیمت سمجھے گا، ہوسکتا ہے کہ ایسے مواقع آپ کے لئے نادر نہ ہوں، لیکن میرے لئے یقیناً بہت غنیمت ہے کہ مجھے ایک تعلیم یافتہ مجمع سے اور اپنے عزیز دوستوں سے بات کرنے کا موقع مل رہا ہے۔

مشرق سے مغرب کا تعارف

آپ کو معلوم ہے کہ مغربی تہذیب کا تعارف ہمارے مشرقی ممالک سے انیسویں صدی کی ابتدا میں ہوا، مغربی تہذیب درحقیقت اسی صدی کے اوائل میں اس قابل ہوئی تھی کہ مشرق کی طرف بڑھے اور اس کو کچھ دے سکے، اس وقت قرون مظلمہ کی (جس کو تاریخ میں (DARK AGES) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) یورپ میں تاریکی چھٹی اور اس کو آزادی کے ساتھ اپنا سفر طے کرنے اور علم و تجربہ کے میدان میں پیش قدمی کرنے کا موقع ملا، اس کے بعد اس نے مشرق کی طرف نظر اٹھائی اس سے پہلے بعض عرب ممالک یعنی خلافت عثمانیہ کے بعض مقبوضات کی طرف کچھ مغربی طاقتیں بڑھ چکی تھیں لیکن وہ زیادہ قابل ذکر واقعہ نہیں، مغربی تہذیب کا اصل تعارف اس وقت ہوا جب ہندوستان اور مصر براہ راست ایک عظیم مغربی قوم کے تسلط میں آئے، ہندوستان، مصر اور ترکی یہ

تین ممالک ایسے تھے، جو مختلف حیثیتوں سے نہ صرف دنیائے اسلام میں بلکہ اس وقت کی معاصر دنیا میں بڑی اہمیت رکھتے تھے۔

ہندوستان

ہندوستان کی اہمیت یہ تھی کہ وہ ایک کثیر تعداد مسلمان قوم کا وطن تھا، مسلمان وہاں ایک بڑی تعداد میں رہتے تھے، اور بڑی شان وشوکت کے ساتھ صدیوں تک وہاں حکومت کر چکے تھے، انہوں نے اسلامی علوم میں بہت بڑا اضافہ کیا تھا، انہوں نے اپنی ذہانت اور اپنے علم وفضل اپنے علمی شغف اور اپنی صلاحیت کا مختلف میدانوں میں بڑا ثبوت دیا تھا، ۱۸۵۷ء میں جب باقاعدہ انگریزی حکومت کا اقتدار ہندوستان پر قائم ہوگیا، اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے بجائے وہاں پر منظم اور باقاعدہ حکومت قائم ہوگئی تو یہ سمجھا جانے لگا کہ اب ہندوستان انگریزی اقتدار کے قبضے میں رہے گا۔

مصر

مصر کی اہمیت یہ تھی کہ وہ عربی زبان اور عربی علوم کا بہت بڑا مرکز تھا، وہاں جامع ازہر موجود تھا اور وہاں کے علماء، ادباء، شعراء اور وہاں کی کتابیں عالم اسلام میں بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔

ترکی

ترکی کے متعلق بھی مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، وہ خلافت کا مرکز تھا اور بڑی حوصلہ مند باصلاحیت اور جواں مرد قوم وہاں رہتی تھی جس نے دنیا کی تاریخ میں بہت بڑا کردار ادا کیا تھا، ان تین ملکوں کا جب مغربی تہذیب سے تعارف ہوا تو

ان کے لئے یہ ایک نیا تجربہ اور تاریخ کا ایک نیا موڑ تھا، اس کو آپ خوش قسمتی کہئے یا بدقسمتی بلکہ شاید خوش قسمتی بھی تھی اور بدقسمتی بھی، بدقسمتی اس لحاظ سے کہ یہ تینوں ممالک قریب قریب ایک ہی وقت میں انگریزی اقتدار سے متاثر ہوئے، ہندوستان پر تو براہ راست انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور مصر میں بھی انتداب کے نام سے اور قرض وصول کرنے کے عنوان سے انگریزوں نے اپنے نمائندے مسلط کردیئے، ترکی پر براہ راست اثر نہیں پڑا، لیکن انگریزی سیاست کا یہ ملک بھی بڑا شکار ہوا، اس لئے حقیقت میں مشرق کا تعارف مغربی تہذیب سے اسی قوم کے ذریعہ ہوا جس قوم کا یہ وطن ہے جہاں آج ہم آپ جمع ہیں، آج مؤرخین اسی قوم کے متعلق یہ بات کہہ رہے ہیں کہ مشرق کا پہلا زخم اس سے لگا، اس کو اپنی پستی، اپنی پسماندگی اور سیاسی وفوجی کمزوری کا پہلا احساس اس قوم کے ذریعہ ہوا جو اس سرزمین سے تعلق رکھتی ہے، یہ انیسویں صدی کے اوائل یا وسط کا زمانہ تھا، اس کے بعد آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ان ممالک میں آزادی کی تحریک شروع ہوئی، اور اس میں تقریباً تمام ملکوں نے براہ راست مغربی اقتدار سے نجات حاصل کرلی، ان میں ہندوستان کو میں اس لئے اہمیت دیتا ہوں کہ اس وقت حاضرین کی بڑی تعداد اس برصغیر سے تعلق رکھتی ہے، یہ دور تو ختم ہوگیا اور اس کو ختم ہونا چاہئے تھا، اس لئے کہ یہ دور غیر فطری تھا، سات سمندر پار سے کوئی قوم آئے اور کسی زرخیز ملک کے کسی بڑے وسیع رقبہ پر اس ملک کے باشندوں کی مرضی کے خلاف حکومت کرے یہ بالکل غیر فطری عمل تھا، اور اس میں باقی رہنے کی قدرتی صلاحیت نہ تھی، اور اگر اس وقت تھی تو کچھ دنوں کے بعد ختم ہونے والی تھی، اور اس لحاظ سے انگریز بھی اپنے معاصر فرانسیسیوں کے مقابلہ میں حقیقت پسند کہے جاسکتے ہیں کہ انہوں نے جلدی اس حقیقت کو تسلیم کرلیا اور ان ملکوں کو آزادی دے دی۔

سیاسی آزادی لیکن تہذیبی غلامی

ان ملکوں نے سیاسی آزادی تو حاصل کرلی اور اس آزادی سے آج ہندوستان اور پاکستان دونوں فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن اس تہذیب کی ذہنی، اخلاقی اور دماغی غلامی سے ابھی تک ان کو نجات نہیں حاصل ہوئی، آپ میں سے جن حضرات کا موجودہ حالات کا گہرا مطالعہ ہے، وہ اس سے اتفاق کریں گے کہ سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد ذہنی غلامی اور علمی غلامی کی زنجیریں اور زیادہ مضبوط ہوگئیں، اس کے اسباب کیا تھے، یہ بحث طویل ہے، اور بعض لوگوں نے اپنی کتابوں میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے مجھے بھی اپنی ایک ناچیز تصنیف (۱) میں اس پر اظہار خیال کرنے کا موقع ملا ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ جتنے ممالک آزاد ہوتے چلے جارہے ہیں، وہ سیاسی طور پر تو آزاد ہورہے ہیں، لیکن ذہنی فکری اور علمی طور پر زیادہ غلام ہوتے جارہے ہیں، اب آپ یہ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ ان دونوں راستوں میں سے کون سا راستہ بہتر تھا، یعنی سیاسی آزادی اہم تھی یا ذہنی اور فکری آزادی زیادہ اہم تھی، میں سیاسی غلامی کی تو کسی طرح حمایت نہیں کرسکتا، بلکہ کوئی شخص اس کے سوچنے کی جرأت بھی نہیں کرسکتا ہے، ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو بدیشی اقتدار اور غیر ملکی حکومت کی طرف سے مدافعت کرے اور اس کو حق بجانب ثابت کرے یا اس کے لئے کلمہ خیر کہے اگر ایسا ہوگا تو یہ قوم کی طفلانہ اور غلامانہ ذہنیت سمجھی جائے گی، میں ایک منٹ بھی اس کا تصور نہیں کرسکتا۔

لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تمام مشرقی ممالک جس میں ہندوستان پاکستان بھی شامل ہیں، اور کسی حد تک (عرب دوستوں سے

---

(۱) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش

معذرت کے ساتھ) وہ عرب ممالک اس میں پیش پیش ہیں، جواب تک حقیقی آزادی کے مفہوم سے آشنا نہیں، انکوابھی تک حقیقی آزادی کا ذائقہ چکھنے کا موقع نہیں ملا، وہ جس دن بلکہ جس گھڑی سے آزاد ہوئے اس گھڑی سے انہوں نے اپنے گلے میں غلامی کے ایسے بھاری طوق وسلاسل ڈال لئے اور فکری، علمی، سیاسی اور اقتصادی حیثیت سے انہوں نے اپنے کو مغرب کا ایسا دست نگر بنادیا کہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس ملک میں اس ملک کی رہنے والی قوم حکومت کر رہی ہے، اور عہدے کسی غیر قوم کے پاس نہیں ہیں، اس کے سوا کسی معنی میں بھی ان قوموں کو آزاد نہیں کہا جاسکتا۔

ہم دینی تحقیقات میں بھی مغرب کے دست نگر ہیں

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہم علم مغرب سے لیتے ہیں، زندگی کا معیار مغرب سے لیتے ہیں، یہاں تک کہ ہم دینی نظریات اور دینی تحقیقات بھی مغرب سے لیتے ہیں، اس وقت علوم اسلامیہ میں بھی انہی مغربی یونیورسٹیوں کی نظر دیکھی جاتی ہے، مستشرقین کا لوہا نہ صرف مغرب میں بلکہ مشرق میں بھی مانا جاتا ہے، اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ مستشرقین جو کچھ کہہ دیں وہ حرف آخر ہے، اور اس پر کسی تبصرہ کا کوئی جواز نہیں، یہ وہ صورت حال ہے جس سے اس وقت کوئی اسلامی ملک مستثنیٰ نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حقیقی آزادی سے فائدہ اٹھانے کا ان ملکوں اور قوموں کو ابھی تک موقع نہیں مل سکا، ان کے دماغوں پر مغرب کے تفوق مغرب کے نظریات اور زندگی کے مغربی نقطہ نظر کا اتنا بڑا بوجھ رکھا ہوا ہے کہ اس بوجھ کے نیچے یہ قومیں دبی بلکہ کچلی جارہی ہیں، بعض ایسے بھی خوش قسمت ملک ہیں کہ وہاں کی کل آبادی مسلمان ہے، لیکن انہوں نے ابھی تک اپنی زندگی کا کوئی

ایسا نقشہ نہیں بنایا جو ان کے معتقدات اور ان کے مسلمات (یعنی جن چیزوں کو وہ تسلیم کرتے ہیں، اور طے شدہ عقیدہ سمجھتے ہیں) اس کے وہ مطابق ہو، ذہنی انتشار میں مبتلا ہیں، جس کا نتیجہ سوائے کمزوری اور پراگندگی اور سوائے بے اعتمادی اور کشمکش کے کچھ اور نہیں ہو سکتا۔

فاسد قیادت

ایک اور بڑی کشمکش ان ملکوں میں یہ برپا ہے کہ ان ملکوں کی زمام قیادت یعنی ان کی باگ ڈور جن کے ہاتھ میں ہے وہ مغربی نظریات پر پورا پورا عقیدہ رکھتے ہیں، گو ان کا نام مسلمانوں کا ہے، ان کی رگوں میں مسلمانوں کا خون ہے، وہ بہت اچھے اور قابل فخر خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں، ان کو اسلام سے انکار بھی نہیں، لیکن ان کا ذہن، ان کا عقیدہ بالکل مغربی سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے، اور جن قوموں سے ان کا واسطہ ہے، ان کی بدقسمتی کہئے یا خوش قسمتی کہ وہ قومیں سیدھی سادھی مسلمان ہیں، وہ اللہ رسول پر عقیدہ رکھتی ہیں، ان کو یہ یقین ہے کہ مرنے کے بعد ایک زندگی آنے والی ہے، وہاں جنت ہے، دوزخ ہے وہاں ہر عمل کا حساب دینا ہوگا، یہاں کا عیش بھی فانی یہاں کی راحت بھی فانی اور یہاں کی تکلیف بھی فانی ہے، ان کے سامنے وہ مقاصد ہیں جو مادی مقاصد سے بالاتر ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ صرف کھا پی لینا اور صرف اچھی مرفہ الحال اور آسودہ زندگی گزار لینا منزل مقصود نہیں، بلکہ اچھا انسان بننا، خدا سے ڈرنا، نیکی اختیار کرنا، برائی سے بچنا، اور صرف ستھری پاکیزہ زندگی اختیار کرنا، رسول اللہ ﷺ کی سنت اور شریعت کے مطابق عمل کرنا، ان کے اسوہ اور نمونے پر چلنا، انسانیت کی خدمت کرنا، ساری دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچانا، انسانیت جن مشکلات سے دوچار ہے

اس میں اس کی مدد کرنا وہ اصل کام ہے جو ایک مسلمان کے شایان شان ہے۔
لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہے، وہ زندگی کا بالکل ایک دوسرا نقطہ نظر رکھتے ہیں، ان کا عقیدہ بہت سی اسلامی حقیقتوں پر سے متزلزل ہو چکا ہے، ان کو بہت سی چیزوں میں شک ہے یہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں، اس کے پیچھے کوئی اور دنیا ہے، اس شہود کے پیچھے کوئی غیب ہے، اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ہے، اور ان چیزوں کے علاوہ جن سے آدمی کو لذت وعزت حاصل ہو رہی ہے کچھ اور حقیقتیں ہیں، جن سے آدمی کو لذت حاصل ہو سکتی ہے جن سے اس کو سکون اور خوشی حاصل ہو سکتی ہے، اس قسم کی کوئی چیز ان کے سامنے نہیں ہے، اس وقت ہمارے مشرقی ممالک میں ایسی غیر معمولی کشمکش بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں غیر ضروری کشمکش برپا ہے، جس میں بہت بڑی انرجی ضائع ہو رہی ہے، کل میں اپنے عرب دوستوں سے کہہ رہا تھا کہ ہماری مشرقی قومیں وہ ہیں کہ اگر ان کو صحیح قیادت مل جائے اور صحیح رہنما میسر آ جائیں جو ان کی اندرونی صلاحیتوں سے واقف ہوں، ان کے اندر خدا نے جو ناقابل تسخیر طاقتیں رکھی ہیں، ان کے اندر زندگی کا جو جوش ہے، قربانی کا جو جذبہ ہے، ایثار کا جو مادہ ہے، جس چیز کو یہ صحیح سمجھ لیں اس پر مٹ جانے کی جو صلاحیت ہے اگر ہمارے ان ممالک کے رہنما ان کی ان مخفی اور پوشیدہ طاقتوں سے واقف ہو جائیں اور وہ اس سے باخبر ہوں کہ ان قوموں کا مزاج کیا ہے؟ ان کا خمیر کیا ہے؟ ان قوموں کا نشو نما کس طرح ہوا ہے؟ ان کی تاریخ کیا ہے؟ تو یہ اتنی بڑی طاقت بن سکتی ہیں کہ اس طاقت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔

ایمان کی طاقت

ان مشرقی ممالک کے اندر اگر کوئی طاقت ہے تو وہ ایمان کی طاقت

ہے، وہ طاقت اس بات کی ہے کہ خدا کا نام لے کر ان سے بڑے سے بڑا کام لیا جا سکتا ہے، خدا کے نام میں ان کے لئے اب بھی اتنی کشش ہے کہ یہ قومیں اس پر اپنی جان، اپنی اولاد، اپنا گھر بار سب قربان کر سکتی ہیں، خدا کے نام میں، شہادت میں، جہاد کے لفظ میں، اسلام کی خدمت کے نعرہ میں ان کے اندر اتنی کشش ہے، اور ایسی مقناطیسی طاقت ہے کہ اس موقع پر ان کو اپنا ہوش باقی نہیں رہ سکتا اور اس وقت ان کا مقابلہ آسان نہیں ہوتا۔

عالم اسلام کے قائدین

لیکن افسوس ہے کہ جو لوگ ان یونیورسٹیوں سے تیار ہو کر جاتے ہیں، وہ سب سے واقف ہوتے ہیں، لیکن خود اپنی قوموں کی صلاحیتوں سے واقف نہیں ہوتے بلکہ اپنے سے بھی واقف نہیں ہوتے، مجھے آپ اس صاف گوئی پر معاف کریں، اقبال نے شائد اسی موقع کے لئے کہا تھا:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

یہاں سے جو لوگ جاتے ہیں، وہ جہاں تک دنیا کے جغرافیہ، تاریخ اور جدید نفسیات، قوموں کی نفسیات، انسان کی نفسیات کا تعلق ہے، اور جو کچھ بھی یہاں انہوں نے پڑھا ہے، اس کی باریک سے باریک باتوں سے وہ واقف ہوتے ہیں، لیکن اگر کسی چیز سے واقف نہیں ہوتے تو اپنی قوموں کی فطرت سے، جس سوسائٹی میں وہ جا رہے ہیں، جس ماحول میں ان کو کام کرنا ہے، جن انسانوں میں ان کو رہنا ہے، جن لوگوں سے ان کو کام لینا ہے، جو ان کے ہاتھ پاؤں ہیں، جو ان کے ہتھیار ہیں، ان سے وہ پورے طور پر واقف نہیں ہوتے، وہ

یہ نہیں جانتے کہ ان کے اندر کون سا خزانہ دفن ہے، ان کے اندر وہ کیا برقی طاقت ہے جس نے دنیا کا تختہ ہلا کر رکھ دیا تھا، اور اس کا مقابلہ دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی نہیں کر سکی تھیں۔

دل کی زبان

آج بھی ہماری ان مشرقی قوموں میں وہ طاقت موجود ہے، ایمان کی طاقت، لیکن یا تو ہمارے یہ قائدین ایمان سے آشنا نہیں ہوتے یا پھر وہ ایمان کی زبان نہیں جانتے یعنی ان کے دل کی زبان نہیں جانتے، وہ ان کے دماغ کی زبان تو جانتے ہیں، وہ زبان تو وہ جانتے ہیں جن سے وہ ان کے دماغوں کو سنا سکیں اور مجھے تو اس میں بھی شبہ ہے کہ وہ ان کے دماغوں کو بھی سنا سکتے ہیں؟ ہاں البتہ ان کے کانوں کو ضرور سنا سکتے ہیں، مگر دل کی زبان سے وہ بالکل نا آشنا ہیں، وہ ان سے اس زبان میں بات نہیں کر سکتے جو سیدھی ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے، جو ان کے دل کے ساز چھیڑ دے، جو ان کو دیوانہ اور مجنوں بنا دے، جو ان کو ہتھیلی پر سر رکھ کر میدانوں میں لے آئے، ایمان کی زبان، قرآن کی زبان، صحابہ کی زبان، جب تک کوئی شخص کسی کی زبان نہ جانے وہ اس سے کیسے بات کر سکتا ہے، میں اگر یہاں کے انگریزی فضلاء سے بات کرنا چاہوں اور مجھے انگریزی پر قدرت نہ ہو، اور وہ میری زبان نہ سمجھتے ہوں تو ''زبان یار من ترکی ومن ترکی نمی دانم'' کا منظر ہوگا۔

ان قائدین کا حال بھی کچھ یہی ہے، وہ ان سے اس طرح بات کرتے ہیں، جیسے مغربی قوموں سے بات کرنا چاہئے، حالانکہ ان کو سمجھنا چاہئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے ولوں سے بات کر رہے ہیں، وہ ان قوموں سے

بات کرر ہے ہیں، جن کو سب سے زیادہ جو چیز تڑپانے والی، حرکت میں لانے والی، ان میں جوش پیدا کرنے والی، بیماروں کو بستر مرگ سے اٹھا کر اور ضعیفوں اور اپاہجوں کو جوانوں کی طرح سرپٹ دوڑانے والی ہے، وہ یہی ایمان کی زبان ہے، وہ یہ ہے کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ آپ بھی ان حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہیں، آپ کے لئے بھی یہ حقیقتیں لذیذ ہیں، یہ مقاصد عزیز ہیں، آپ بھی مسلمان ہیں، وہ بھی مسلمان ہیں، مسجدوں میں جا کر آپ ان سے بات کرسکیں آپ ان سے ان کے محلوں میں جا کر بات کرسکیں اور صرف بات کرنا نہیں بلکہ اس زبان میں بات کرسکیں جس کو وہ خوب سمجھتے ہیں اور چودہ سو برس سے سمجھتے چلے آرہے ہیں۔

میں ہرگز یہ پوزیشن اپنے لئے قبول نہیں کرسکتا کہ میں جدید علوم کی مخالفت کروں، آپ کو ان یونیورسٹیوں میں زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کرنا چاہئے بلکہ ہم تو آپ کو اور آپ کے والدین کو مبارک باد دیں گے بلکہ دیتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ہمارے مسلمان نوجوان کو جدید علوم میں بڑے سے بڑا مرتبہ حاصل کرنا چاہئے ان کو ان میں اتھارٹی بننا چاہئے اور بڑے محقق کا درجہ حاصل کرنا چاہئے یہ موجودہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

مقصد اور وسائل کا فرق

لیکن میرے عزیزو اور دوستو آپ جانتے ہیں کہ مقصد اور وسیلہ میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے، میری یہ چھڑی بڑی کارآمد چیز ہے، میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں مجھے یہ سہارا دیتی ہے، میں اس سے مدافعت بھی کرسکتا ہوں مگر چھڑی بجائے خود مقصد نہیں اگر اس سے بہتر چیز مجھے ملے یا میں اس سے بے نیاز ہوسکوں تو میں خود بخود اس کو چھوڑ دوں گا ایک زمانے میں اس سے ہتھیار کا

کام لیا جاتا تھا، لیکن اس سے زیادہ کارگر اور موثر ہتھیار ایجاد ہوئے تو لوگوں نے اس کو چھوڑ کر بندوق لے لی۔

قدیم وجدید کا فلسفہ

اس لئے یہ جدید اور قدیم علم کی تقسیم بالکل غلط ہے، میں کبھی اس کا قائل نہیں رہا کہ علم جدید اور قدیم ہوتا ہے، علم ہمیشہ تازہ ہی ہوتا ہے، وہ جس کو آپ قدیم کہہ رہے ہیں، اپنے زمانے میں بالکل جدید تھا اور جسے آپ جدید کہہ رہے ہیں، بالکل ممکن ہے، وہ پچاس برس بعد ایسا قدیم ہو جائے کہ اس کا نام لینا بھی بڑے عیب اور شرم کی بات ہو جائے، یہ قدیم وجدید کی بحث بالکل لایعنی اور بہت سطحی بحث ہے، آپ زبانوں میں مہارت پیدا کریں، علوم میں کمال پیدا کریں، یہاں کے جتنے شعبے ہیں، کیمسٹری سے لے کر انجینئری تک اور آرٹ، تاریخ، فلسفہ اور نفسیات سب میں بہت شوق سے آپ کمال پیدا کریں لیکن آپ اس کو ایک ذریعہ سمجھیں، آپ یہ سمجھیں کہ جس میدان میں آپ کو کام کرنا ہے، اس میدان میں آپ کو اس سے کام لینا ہے۔

جسم مشرق میں لیکن دل ودماغ مغرب میں

اس وقت ہمارے مشرقی ممالک میں جو انتشار ہے، اور جس کو میں نے غیر ضروری کشمکش سے تعبیر کیا تھا، اور جس پر بڑی طاقت ضائع ہو رہی ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہمارے قائدین مغربی دنیا میں رہتے ہیں یعنی وہ مشرق میں رہتے ہوئے بھی مغرب میں رہتے ہیں وہ جسم کے ساتھ مشرق میں رہتے ہیں، مگر دل ودماغ کے ساتھ مغرب میں رہتے ہیں، جن قوموں سے ان کا واسطہ ہے،

جن میں ان کو جینا اور مرنا ہے، جن کے ساتھ ان کی قسمت وابستہ کر دی گئی ہے، وہ قومیں سچی مسلمان ہیں، اور ان سے اگر کوئی کام لیا جا سکتا ہے، تو مسلمان کی حیثیت سے، آپ صحرائے افریقہ کی کسی ایسی قوم کے فرد نہیں ہیں، جس نے ابھی ابھی آنکھیں کھولی ہوں، ایسی بہت سی قومیں افریقہ میں ہیں، میں ان کی تحقیر نہیں کرتا جنہوں نے ابھی ابھی دنیا دیکھی ہے، ابھی ان کو معلوم ہوا ہے کہ دنیا میں کچھ اور بھی ہے، اب بھی بہت سی مردم خور قومیں موجود ہیں، کل ہی ایک صاحب مجھ سے فرما رہے تھے کہ فیجی (FEEJI) میں جب پہلا پادری پہنچا تو اس کو وہاں کے لوگوں نے برکتاً کباب بنا کر کھالیا اور اس پادری کے بوٹ کو برکت کے طور پر ابال ابال کر اس کا سوپ پیتے رہے، تو آپ کسی ایسی قوم کے فرد نہیں جس کی کوئی تاریخ نہ ہو، کوئی عقیدہ نہ ہو، کوئی ماضی کوئی تہذیب نہ ہو، کوئی ایسی قوم نہیں جو ایک دم سے تاریکی سے روشنی میں آ گئی، اور یہاں آتے ہی اس کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں کہ یا اللہ یہ ترقیاں، یہ ایجادیں، یہ بجلی کی روشنی، یہ ہوائی جہاز، یہ آٹو میٹک کرشمے اور یہ نئی نئی تحقیقات اور یہ لندن کا شہر اور یہ انسان کا ترقی یافتہ ملک کیا عجوبہ ہے، آپ یقین کیجئے آپ کسی خانہ بدوش اور صحرائی قوم کے فرد نہیں ہیں۔

آپ اس امت کے فرد ہیں جس نے انسانیت کو نجات دی

آپ اس قوم کے فرد ہیں، جس نے ایک زمانہ میں عام دنیا کی قیادت کی ہے، جس نے انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تیرایا ہے، میں کل ہی اپنے عرب دوستوں سے کہہ رہا تھا کہ جس وقت انسانیت کی کشتی ڈوب گئی اور دلدل میں پھنس گئی اور کوئی اس کا نکالنے والا نہ تھا تو یہی امت مسلمہ اور یہی عرب جو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے تھے آگے بڑھے اور انہوں نے اس کشتی کو دلدل سے

نکالا اور آج ہم آپ اس کشتی میں بیٹھے ہوئے اپنا سفر طے کرر ہے ہیں، آپ ایک ایسی قوم کے فرد ہیں جس کو مغرب سے اصولی اختلاف ہے، جو اس مغرب کی حقیقتوں پر آنکھ بند کر کے ایمان نہیں لائی، ہمارے قائدین کی کوتاہی اور مشرقی قوموں کی پست ہمتی کہ ہم نے علوم کے میدان میں ترقی نہیں کی، اس کے برخلاف یورپ نے اس میں خاطر خواہ فتوحات حاصل کیں، یہ ہماری بدقسمتی تھی ورنہ اصل میں دنیا کی رہنمائی اور دنیا کی اتالیقی اور نگرانی ہمارے سپرد تھی اور میں دعویٰ کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ آج بھی صرف مسلمان ہی اس قابل ہیں کہ وہ دنیا کی رہنمائی کریں، ان مغربی قوموں کی رہنمائی کا حشر تو ہم نے آپ نے دیکھ لیا، انہوں نے انسانیت کا دامن ایجادات سے بھر دیا انہوں نے ناممکن کو ممکن کر کے بتا دیا، ایک یورپین فلاسفر نے بہت فخر کے ساتھ ایک ہندوستانی فلسفی سے کہا کہ اب ہم نے ایسے تیز رفتار ہوائی جہاز نکالے ہیں، جو بحر اٹلانٹک کو چند گھنٹوں میں طے کر لیتے ہیں، وہ اس طرح دیر تک مغربی تہذیب کی کامیابی اور فتوحات کا قصیدہ پڑھتے رہے، اور وہ ہندوستانی فلسفی بہت صبر وسکون سے سنتے رہے، جب وہ کہہ چکے تو ہندوستانی فلسفی نے کہا ٹھیک ہے، آپ نے فضائے آسمانی میں چڑیوں کی طرح اڑنا سیکھ لیا، اور پانی میں مچھلی کی طرح تیرنا سیکھ لیا مگر ابھی تک آپ کو زمین پر آدمیوں کی طرح چلنا نہیں آیا تو آج مغربی قوموں کا حال یہی ہے، بے شک انہوں نے ترقی کی ہے، لیکن ان کو اپنی منزل معلوم نہیں۔

بنیادی حقیقت

اصلی اور بنیادی حقیقت یہ ہے کہ انسان کیا ہے؟ اور انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انسان کس طرح زندگی گزار سکتا ہے؟ اس معاملہ میں یہ قومیں

بالکل مفلس ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج یہ تمام فتوحات بچوں کا کھیل ہو کر رہ گئیں، مغربی تہذیب ایک ڈرامہ کھیل رہی ہے، جیسے کہ شکسپیر کے ڈرامے ہوتے تھے ہم اور آپ تماشائی ہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ واہ واہ کیا ہوا میں اڑے اور کیا پانی پر چلے، لیکن ہوا کیا؟ انسان نے کتنی ترقی کی؟ انسانیت نے کتنی ترقی کی؟ دنیا میں امن کتنا پھیلا؟ محبت و بھائی چارہ کتنا عام ہوا؟ ایک دوسرے سے کتنا قریب ہوا؟ انسان نے انسان کو کتنا پہچانا؟ دل کتنے روشن ہوئے؟ قلب کو سکون کتنا حاصل ہوا؟ انسان کو اپنی منزل کا کتنا پتہ چلا، انسان کے اخلاق درست ہوئے یا نہیں؟ اس کے اندر جو خراب اخلاق تھے، دوسرے کو پھاڑنا اپنے بچوں کو پالنا، دوسرے کے گھروں کو لوٹ کر اپنا گھر بھرنا، دوسروں کی جیب کاٹ کر اپنی جیب بھرنا، دوسروں کو ذلیل اور غلام بنا کر خوش ہونا اور اپنی فتح کے جھنڈے اڑانا اس میں کتنی کمی آئی ان قوموں نے اس دنیا کو منڈی سمجھ لیا ہے یا اقبال کے الفاظ میں ایک قمار خانہ اور جوا خانہ سمجھ لیا ہے، اور اس کے نتیجے میں دو دو جنگیں پہلی اور دوسری جنگ عظیم ہوئیں، میں پوچھتا ہوں کہ آخر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ ان ساری فتوحات سے انسانیت کو کیا حاصل ہوا؟ میں بالکل حقیقت پسند اور عملی آدمی کی طرح آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس سے انسانیت نے اپنا اصلی سفر کتنا طے کیا اور دنیا کو کیا امن وسکون حاصل ہوا، اور انسان نے اپنا حقیقی مقصد میں کتنی کامیابی حاصل کی؟ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ قوموں کی باہمی عداوتیں کم نہیں ہوئیں بلکہ ایسی شدید ناانصافیاں ہو رہی ہیں، جسے کہتے ہیں کہ ہاتھی نگل جانا، ایک فلسطین کا مسئلہ لے لیجئے زبردستی ترقی یافتہ قوموں نے اس سرزمین کے اصلی رہنے والوں کو جلاوطن کر کے ایک ایسی قوم کو وہاں لاکر بسایا اور ان کو وہاں رہنے اور اس کو اپنا قومی وطن بنانے کا موقع دیا جو سیکڑوں نہیں ہزاروں برس سے

اس ملک سے باہر ٹھوکریں کھا رہی تھی اور مختلف ملکوں میں جا کر بس گئی تھی، ان کو لا کر عربوں کی چھاتی پر سوار کر دیا اور بار بار دنیا کے ضمیر سے حق وانصاف کی اپیل کے باوجود دنیا کی عدالت سے آج تک انصاف نہیں ہو سکا، جس دنیا میں فلسطین جیسا واقعہ پیش آجائے ایسی صریح ناانصافی اور کھلی دھاندلی کی جائے کیا پھر اس کے بعد بھی یہ ترقی یافتہ دنیا کہی جاسکتی ہے؟ پھر آج یہ امریکہ اور روس اور آپ کا برطانیہ ان میں سے کسی کو یہ ہمت نہیں کہ کھڑے ہو کر حق سمجھ کر یہ کہے کہ عربوں کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے، اور ہم بالکل صریح ظلم کر رہے ہیں اور کیا آج برطانیہ میں انگلیوں پر گنے جانے والے بھی ایسی ہمت والے ہیں، جو کہیں کہ ہم نے عربوں سے جو وعدے کئے تھے، وہ بالکل بھلا دیئے اور یہ ایک ایسی بداخلاقی ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، ایسی کھلی ہوئی ناانصافیاں قوموں کے ساتھ، ملکوں کے ساتھ، بلکہ پوری انسانیت کے ساتھ ہو رہی ہے، اور انسانیت کے ساتھ نہایت خطرناک کھیل کھیلا جا رہا ہے، یعنی وہ تخریبی طاقتیں تیار کی جا رہی ہیں، اور ان میں ایک دوسرے سے مقابلہ اور ریس ہے، جو ساری دنیا کو ایک گھنٹے میں نہیں چند منٹ میں ختم کر سکتی ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ امریکہ کے پاس وہ ذرائع ہیں، جن سے ایک گھنٹے میں پانچ چھ مرتبہ ساری دنیا تباہ ہو سکتی ہے، روس کے پاس اتنے نہیں تو اس سے کچھ کم کیا ہے اور اب تو چین نے بھی بنا لئے ہیں، برطانیہ اور فرانس کے پاس بھی موجود ہیں، یعنی آگ کا کھیل شروع ہو گیا ہے، ابھی تک تو بچوں نے ہوا میں پتنگ (کنکوے) اڑائے تھے یہ ان کے ہوائی جہاز اور فضائی فتوحات تھیں لیکن اب انہوں نے آگ اور آتش بازی کا کھیل شروع کر دیا ہے، کسی ظالم نے ان کے ہاتھ میں چھرے اور ریزر دے دیئے ہیں، جن سے وہ ایک دوسرے پر حملہ

کررہے ہیں، خدا جانے کس وقت کون کس کا گلا کاٹ دے۔

اگر ہم یورپ سے کچھ لے سکتے ہیں تو اس سے بہتر دے بھی سکتے ہیں

آپ جن قوموں سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا ایک معیار ہے، ایک مقصد زندگی ہے، کچھ عقائد ہیں، ان کے سامنے ایک منزل ہے، وہ اس مغربی تہذیب پر کبھی مطمئن نہیں ہو سکتے، بے شک آپ اہل مغرب سے علوم حاصل کیجئے ان کی زبانوں میں مہارت پیدا کیجئے، یہاں آکر تاریخ کا وسیع مطالعہ کیجئے، میں یہاں تک بھی آپ سے کہہ سکتا ہوں کہ اسلامی علوم کے بارے میں آپ ان کے نظریات معلوم کیجئے، اس سے بھی آپ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، لیکن آپ یہ نہ سمجھے کہ یہ امام برحق ہیں، اور آخری مثال ہیں انسانیت اور دنیا ان کی رہنمائی کے بغیر رہ نہیں سکتی، اور مشرق کی جاہل نیم وحشی اور پسماندہ اقوام کے لئے یہ فرشتہ رحمت ہیں، انہوں نے ہم کو سکھایا پڑھایا اور آدمی بنایا، اگر آپ ایسا سمجھیں گے تو اس سے بڑھ کر آپ کا اپنے اوپر اور جن سے آپ کا انتساب ہے کوئی ظلم اور اپنی قوموں اور اپنی تاریخ کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہوگی، آپ بیشک ان سے وہ چیزیں لیجئے جو آپ کو وہاں نہیں مل سکیں، لیکن آپ یہاں رہتے ہوئے بھی یہ سمجھئے کہ یہ بہت سی چیزوں میں کھوکھلے ہیں، اور جیسے ہم ان سے بہت سی چیزیں سیکھ سکتے ہیں، یہ بھی ہم سے بہت سی چیزیں سیکھ سکتے ہیں اگرچہ اس کا فیصلہ اس وقت نہیں ہو سکتا اور شاید آپ کے لئے اس کا سمجھنا اور اس سے اتفاق کرنا آسان نہ ہو کہ آیا وہ چیزیں جو یہ ہماری مشرقی قوموں (مسلمانوں) سے سیکھ سکتے ہیں، زیادہ قیمتی ہیں، یا وہ چیزیں جو ہم ان سے سیکھ سکتے ہیں؟ ہم جو چیزیں ان سے سیکھنے آئے ہیں، وہ زیادہ قیمتی اور اہم ہیں یا وہ چیزیں جن کو سیکھنے کے لئے انہیں

ہمارے پاس آنا چاہئے؟ میں اس وقت اس نکتہ پر زیادہ اصرار نہیں کروں گا آپ یہی مان لیں کہ جو چیزیں ہم ان کو سکھا سکتے ہیں، وہ زیادہ قیمتی اور اہم ہیں اور جو چیزیں ہم ان سے سیکھتے ہیں، وہ بہت غیر اہم اور حقیر ہیں، لیکن میں اس موقع پر اتنا ضرور کہوں گا کہ دو چیزیں ہم ان سے سیکھ سکتے ہیں تو دو چیزیں ہم ان کو سکھا بھی سکتے ہیں، اور یہ بھی میں بہت نیچے اتر کر کہہ رہا ہوں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دو چیزیں ہم ان سے سیکھ سکتے ہیں تو چار چیزیں ہم ان کو سکھا سکتے ہیں، اس لئے کہ آپ جو ان کو دے سکتے ہیں اس سے ان کی زندگی یہاں بھی کامیاب ہو سکتی ہے، اور آخرت میں بھی (اس پر ہمارا عقیدہ ہے، اور عیسائیوں کا بھی عقیدہ ہے) کامیاب ہو سکتی ہے، اور یہ جو ہم کو دے رہے ہیں، اگر یہ نہ ملے تو زیادہ سے زیادہ ہمارا سفر ذرا دیر میں طے ہوگا ہم کو تھوڑی دقتیں ہوں گی ہمارا وقت ذرا زیادہ صرف ہوگا یہ حاصل ہے ان کے دین کا، اور وہ نتیجہ ہے ہمارے دین کا، اب آپ انصاف کیجئے کہ ہماری دین بڑھی ہوئی ہے یا ان کی؟

اُمت مسلمہ کا فرض منصبی اور اس کے انقلابی اثرات

یہ تقریر ستمبر ۱۹۹۲ء میں اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر میں کی گئی تھی، ہال میں ہندوستانیوں، پاکستانیوں اور برطانیہ میں رہنے والے مسلمانوں کے علاوہ مختلف عرب ممالک کے فضلاء، طلبائے جامعات اور تحقیقی کام کرنے والے عرب نوجوان بھی اچھی تعداد میں جمع تھے، یہاں پر ''کاروان زندگی حصہ پنجم'' سے نقل کی جا رہی ہے۔

اُمت مسلمہ کا فرض منصبی اور اس کے انقلابی اثرات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ رَسُوْلِ اللّٰه صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ

حضرات! میں قرآن مجید کا ایک حقیر طالب علم ہوں، اور آپ سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید روزانہ پڑھا جاتا ہے، اور حسب توفیق بار بار اور زیادہ سے زیادہ پڑھا جاتا ہے، قاعدہ یہ ہے کہ جب آدمی کسی چیز کو حیرت سے دیکھتا ہے اور اس سے وہ متعجب ہوتا ہے تو اس کا یہ تعجب ہمیشہ قائم نہیں رہتا، وہ زائل بھی ہوجاتا ہے، لیکن میں اپنا حال آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں (اور اسی سے میں نے اپنی بات کہنے کا مضمون اخذ کیا ہے) کہ جب میں قرآن مجید میں سورۂ انفال کی یہ آیت کریمہ پڑھتا ہوں:

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ.

(سورۃ الانفال:۷۳)

"(تو مومنو!) اگر تم یہ کام نہ کروگے تو ملک میں فتنہ برپا ہوجائے گا اور بڑا فساد مچے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان مہاجرین اور انصار کو مخاطب فرمایا ہے، جو مشرف بہ اسلام تھے، جہاں تک ان مہاجرین کا تعلق ہے جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تھے، وہ چند سو کی تعداد میں تھے، آپ جانتے ہیں کہ ہجرت کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے، ہجرت میں آدمی کو گھر بار چھوڑنا پڑتا ہے، اعزہ و اقرباء سے دور ہونا پڑتا ہے، اور ان سہولتوں کو خیر باد کہنا پڑتا ہے، جو موروثی اور مقامی طور پر اس کو حاصل ہوتی ہیں، ظاہر ہے کہ ان مہاجرین کی تعداد محدود تھی، اور جن لوگوں نے مدینہ طیبہ میں اسلام قبول کیا تھا، ان کی تعداد بھی اس وقت تک

کچھ زیادہ نہ تھی، حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے تین مرتبہ مسلمانوں کو شمار کیا گیا، پہلی مرتبہ شمار کرنے میں مسلمانوں کی تعداد پانچ سو، دوسری مرتبہ چھ سو، سات سو کے درمیان تھی، تیسری مرتبہ شمار میں مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے، اس تعداد پر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اطمینان کی سانس لی کہ اب ہم ڈیڑھ ہزار ہو گئے ہیں، اب ہمیں کیا ڈر ہے؟ ہم نے تو وہ زمانہ دیکھا ہے جب ہم میں سے کوئی اکیلا نماز پڑھتا تھا، پھر بھی دشمنوں کا ڈر لگا رہتا تھا۔(۱)

گویا یہ مٹھی بھر انسانوں کی آبادی تھی جس نے اسلام قبول کیا تھا، اور جس نے اس کی ذمہ داری قبول کی تھی، کہ اس کے چاروں طرف انسانی آبادی کا جو سمندر پھیلا ہوا ہے، اس میں وہ ہدایت وتبلیغ کا کام کرے گی اس کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ساری دنیا میں زیادہ تر وہ لوگ تھے، جنہوں نے اسلام کا نام بھی نہیں سنا تھا، قبول کرنے کا کیا ذکر، پھر اس وقت دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتیں تھیں جن کو (EMPIRE) کہنا چاہئے، وہ صرف امپائر نہیں تھیں، اور ان کی حیثیت محض انتظامیہ اور حکومت ہی کی نہیں تھی، ان کے ساتھ مستقل تہذیب تھی، مستقل تمدن، طرز زندگی اور معیار واقدار (IDEALS & VALUES) تھے، متمدن دنیا کا سب سے بڑا حصہ جس پر یہ دونوں شہنشاہیاں بلا واسطہ یا بالواسطہ قابض تھیں، وہیں سے وہ تہذیب لیتے تھے، وہیں سے فیشن اخذ کرتے تھے، وہیں سے قانون لیتے تھے، آپ کو معلوم ہے کہ (ROMANLOW) دنیا میں کتنی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اور ایرانی تہذیب ہندوستان اور دور دراز ملکوں تک پہنچ گئی تھی۔

حضرات! میں جب اس آیت پر پہنچتا ہوں تو ہمیشہ تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہوں، سوچنے لگتا ہوں کہ یا اللہ یہ کس سے کہا جا رہا ہے، کب کہا جا رہا ہے،

---

(۱)صحیح بخاری، جلد دوم، کتاب الجهاد، باب كتابة الإمام للناس

اور کہاں کہا جا رہا ہے؟ یہ آخری مسلم شماری جس میں مسلمان ڈیڑھ ہزار نکلے، بعض شراح حدیث اور محققین کی تحقیق میں جنگ احد کے موقع پر ہوئی جو ۳ھ میں پیش آئی اور بعض کے نزدیک جنگ خندق (جس کو غزوۃ الاحزاب بھی کہا جاتا ہے) کے موقع پر ہوئی جو ۵ھ میں پیش آئی اس طرح یہ مدت زیادہ سے زیادہ پانچ سال کی ہوتی ہے، جس میں مسلمانوں کے شمار کرنے کا یہ کام ہوا اس طرح یہ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو ہزار مسلمان تھے جن سے کہا جا رہا ہے کہ تم اپنی شیرازہ بندی کرو اور ایک نئی وحدت (UNIT) قائم کرو، جس کی اساس ایمان پر ہو، قرآن پر ہو، صحیح عقیدہ پر ہو اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرپرستی میں ہو۔

یہ وحدت اس لئے قائم کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے کہ تم اس وحدت کے ذریعہ دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچاؤ اور دنیا کو "جاہلیت" (من مانی آزادی اور نفس پرستی) کی زندگی سے نکال کر دنیا کو اسلام (خدا پرستی اور کامل خود سپردگی) کی دعوت دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو دنیا میں فتنہ کبریٰ اور فساد عظیم برپا ہوگا۔

میں اس موقع پر سوچتا ہوں کہ جن سے کہا جا رہا ہے اور جو اس آیت کے مخاطب ہیں ان میں اور ان پر جس کام کی اور دنیا کی جس آبادی کی ذمہ داری ڈالی جا رہی ہے، دونوں میں کیا تناسب تھا؟ لیکن فارسی میں ایک محاورہ ہے، اور ہم اس کو عربی میں بھی ادا کر دیا کرتے ہیں "بقامت کہتر وبقیمت بہتر" یعنی قدو قامت کے لحاظ سے چھوٹا لیکن قیمت کے لحاظ سے کہیں بڑا اور بہتر، میں نے اپنی عربی تقریر میں بھی اس کو اس طرح ادا کیا تھا کہ "العبرة بالقيمة ،لا بالقامة" یہ اس جماعت سے کہا جا رہا ہے جو بقامت کہتر تھی لیکن بقیمت بہتر، اصل چیز جو فیصلہ کن ہے وہ "قیمت ہے"، "قامت" نہیں، چنانچہ اس کہتر قامت اور بہتر قیمت نے اپنی انقلاب انگیزی اور عہد آفرینی ثابت کر دی، ایرانی سلطنت کا چراغ گل ہو گیا، صرف سلطنت کا نہیں ایرانی تہذیب کا ان کے معیاروں اور ان کی قدروں

(IDEALS & VALUES) کا جو حقیقی طور پر حکومت کرتے اور زندگی کی تشکیل کرتے ہیں، جن کو عربی میں المثل والقیم کہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور یا زیادہ سے زیادہ خلافت راشدہ کے اختتام تک دنیا کا متمدن ترین حصہ جو مہذب اور ترقی پسند انسانوں کے لئے نمونہ اور معیار (IDAL) کا درجہ رکھتا تھا، وہ بدل گیا تھا یا برابر بدل رہا تھا، معیار بدل گئے تھے، سوچنے کے طریقے بدل گئے تھے، ایران اور روم کی ذہنی وفکری غلامی سے آزاد ہو رہے تھے، معیار مہذب اور ترقی یافتہ کہلانا، احترام اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جانا معیار نہیں رہا تھا حکم خداوندی کی تعمیل اور سنت نبویؐ کی پیروی اور عہد رسالت اور اس کے معتبر نمائندوں سے مشابہت، تہذیب میں، معاشرت میں، رسوم وعادات میں، اور لباس ومظاہر میں تعریف اور قدر کی چیز سمجھی جانے لگی تھی، اس کی مثالیں آپ کو بڑے بڑے دولت مندوں اور بااقتدار لوگوں کی زندگی میں، تاریخ کی کتابوں میں ملیں گی۔

آپ کو معلوم ہے کہ زندگی کے آلات ووسائل تو بدلتے رہتے ہیں، تمدن کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں، لیکن ذلت وعزت کے پیمانے، علم وجہالت کے معیار اور علامتیں، بہت دیر اور بہت مشکل سے بدلتی ہیں، اس میں بعض اوقات صدیاں لگ جاتی ہیں، اگر آپ تہذیب انسانی کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بعض پیمانے صدیوں تک حکومت کرتے رہے، لیکن یہاں سوچنے کے طریقے بدل گئے، کرنا تو الگ چیز ہے، کرنے میں تو بہت جلد تغیر آجاتا ہے، لیکن سوچنے کا طریقہ بہت بڑی طاقت ہے، اور وہی زندگی پر حکمرانی کرتا ہے، ہم بھی بہت سے اسلامی ممالک میں دیکھتے ہیں کہ مغربی اقتدار اور تہذیب کے اثر کے پیمانے نہیں بدلے پیمانوں میں ناپنے والی چیزیں بدل گئیں، عزت وشرافت، خوش نصیبی وبد نصیبی، علم وجہالت، ترقی وپسماندگی کے وہی معیار ہیں جو باہر کی

حکومت کرنے والی قوموں اور تہذیبوں نے عطا کئے ہیں۔

اب آپ ان حقائق کی روشنی میں دیکھئے کہ کس پر اور کس وقت ساری دنیا میں انقلاب لانے کی اور اس کو خدا پرستی، خدا ترسی، انسان دوستی، ایثار و قربانی اور ہدایت ربانی کے راستہ پر چلنے اور چلانے کی عالمگیر ذمہ داری ڈالی جاری ہے اور اس ذمہ داری کے ادا کرنے اور اس کے سلسلہ میں کامیابی حاصل کرنے میں اس ''بقامت کہتر و بقیمت بہتر'' جماعت کو کتنی بڑی کامیابی حاصل ہوئی، اس کے لئے آپ چھٹی صدی عیسوی کے بعد کی مختلف زبانوں (اور خاص طور پر انگریزی) میں لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ فرمائیے۔(۱)

حضرات! میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے اس مرکز (ISLAMIC FOUNDATION) کے قیام کے لئے صحیح جگہ کا انتخاب کیا، آپ یہاں مغربی تہذیب کے سینہ پر بیٹھ گئے، اگر یہاں سے یا کسی بڑے مغربی ملک یا مغربی تہذیب کے بڑے مرکز سے انقلاب شروع ہوا تو وہ طاقت میں اور گہرائی میں، وسعت میں بھی اور حجم میں بھی، قابل لحاظ ہوگا، خدا کرے وہ دن آئے کہ ان ملکوں میں بھی لوگوں میں حق کی طلب اور اپنی زندگی کے خلا کا احساس پیدا ہو، اور کہیں کہ آپ ہم کو اس تاریکی کی زندگی، نفس پرستی کی زندگی، اور کوتاہ نظری کی زندگی سے نکالئے، یہاں پر یہ نکتہ یاد رہے کہ قرآن مجید میں تاریکی کے لئے اکثر جمع کا صیغہ ''ظلمات'' آتا ہے اور روشنی کے لئے واحد کا صیغہ ''النور'' آتا ہے ''یُخۡرِجُهُمۡ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوۡرِ'' وغیرہ وغیرہ، اس سے معلوم ہوا کہ ظلمتیں بیشمار ہیں اور نور ایک ہے، وہ کہیں کہ ہمیں یہ دولت آپ ہی کے یہاں سے مل سکتی ہے۔

---

(۱) اس سلسلہ میں بغیر کسی تواضع کے خاکسار اپنی دو کتابوں کا حوالہ دیتا ہے جن میں اس موضوع پر خاصا مواد جمع کردیا گیا ہے ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر'' (ISLAM & THE WORLK) دوسری ''نبی رحمت'' (MOHAMMAD RASULULLAH)

اور یہ بات جب ہی حاصل ہوگی جب آپ کی زندگی اور اخلاق میں شان امتیازی ہوگی، میں نے ایک واقعہ آکسفورڈ کی جامع مسجد میں ایک بڑے مجمع میں سنایا تھا، آپ کو بھی سنادوں کہ اس میں ہر مرتبہ ایک نئی لذت محسوس ہوتی ہے، وہ یہ کہ جب حضرت سید احمد شہیدؒ نے پیشاور فتح کیا اور کئی ہفتے گزر گئے فوجِ مجاہدین وہاں پڑی ہوئی تھی، تو ایک پٹھان نے ایک ہندوستانی کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ میاں ایک بات تم سے پوچھتا ہوں، ٹھیک ٹھیک بتانا، اس نے کہا کہ کہئے، اس نے کہا کہ کیا تم ہندوستانیوں کی دور کی نگاہ کمزور ہوتی ہے، تم دور کی چیز نہیں دیکھ سکتے؟ فوجِ مجاہدین کے اس سپاہی نے کہا کہ نہیں ہم خوب دیکھتے ہیں، اور دیکھ رہے ہیں کہئے تو آپ کو بتادیں کہ ہمارے سامنے وہ دور کی چیز کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں کوئی بات ضرور ہے، ہندوستانیوں کی دور کی نگاہ فطری طور پر کمزور ہوتی ہے، ہندوستانی نے کہا مگر آپ یہ بتائیے کہ آپ کو اس کے پوچھنے کی ضرورت کیا پیش آئی؟ وہاں کے پٹھان باشندہ نے کہا کہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ کئی ہفتہ سے آپ کی فوج یہاں پڑی ہوئی ہے، اور آپ میں سے بعض کئی کئی مہینے سے اور بعض کئی کئی سال سے اپنا گھر چھوڑے ہوئے ہیں، شادی شدہ ہیں، یا شادی کی عمر ہے، لیکن ہم نے آپ میں سے کسی کو کسی نامحرم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا، تو ہم نے کہا کہ ایک ہو، دو ہوں تو ہوسکتا ہے لیکن سب کے سب کیوں نہیں دیکھتے؟ ادھر جوانی ہے ادھر حسن ہے، لیکن کسی کو بدنگاہی کرتے ہوئے نہیں دیکھتے۔

اس ہندوستانی نے جواب دیا کہ الحمدللہ ہم سب کی نظر بالکل ٹھیک ہے، مگر قرآن کی تعلیم ہے:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ. (سورۃ النور: ۳۰)

''اہل ایمان سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔''

پھر یہ ہمارے امام کی تربیت کا بھی نتیجہ ہے۔

اس خصوصیت کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ:

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا۔ (سورۃ الانفال: ۲۹)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے معاملہ میں تقویٰ واحتیاط کا عمل اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اندر ایک شان امتیازی پیدا کردے گا۔''

اگر آپ نے اس ملک میں رہتے ہوئے زندگی کا ایک نیا ماڈل (MODEL) ایک نیا سانچہ اور ایک نیا نمونہ پیش کیا، جس میں یہاں کی زندگی، طرز معاشرت، نفس پرستی اور دولت پرستی اور ہر قسم کی آزادی سے امتیاز ظاہر ہوا، تو لوگوں کے اندر اسلام کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوگا، اور وہ آپ کے یہاں آئیں گے اور کہیں گے کہ ہمیں کوئی کتاب دیجئے، جس سے ہم سمجھیں کہ اس انقلاب کا سرچشمہ کہاں ہے؟ کہاں سے یہ تبدیلی آئی اور آپ میں امتیاز پیدا ہوا؟

میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری حقیر ذات اور میرے رفقاء کا اعزاز کیا، خاص طور پر ڈاکٹر خورشید احمد صاحب اور مناظر احسن صاحب اور سب حضرات اور اس ادارہ کے ذمہ داروں کا کہ آپ نے ہمارے ساتھ برادرانہ ہی نہیں کریمانہ اور فیاضانہ سلوک کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق دے کہ یہ مرکز زیادہ سے زیادہ ہدایت اور نفع کا سرچشمہ بنے، اللہ وہ دن ہمیں دکھائے کہ جیسے پہلے اس ملک سے دنیا پرستی اور نفس پرستی اور مادیت کی ہوا چلی تھی، الحاد اور لادینیت کا رجحان پیدا ہوا تھا، ویسے ہی یہاں سے اب ایمان کی، اخلاق کی،

انسانیت اور شرافت کی اور ہدایت کی ہوا چلے۔

آخر میں اقبال کے ان چند اشعار پر اس خطاب کو ختم کرتا ہوں، جو اس مقام و ماحول، عہد و زمانہ، اور مسلمانوں کے مقام و پیغام سے بھی خاص مناسبت رکھتے ہیں:

ناموس ازل را تو امینی تو امینی　　دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمانی تو زمینی　　صہبائے یقیں درکش واز دیر گماں خیز
ازخواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز
ازخواب گراں خیز

فریاد زافرنگ و دلآویزی افرنگ　　فریاد زشیرینی و پرویزی افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ زچنگیزی افرنگ　　معمار حرم! باز بہ تعمیر جہاں خیز
ازخواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز
ازخواب گراں خیز

غیر اسلامی تہذیب واقتدار کے مرکزوں میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داریاں

یہ تقریر ستمبر ۱۹۹۲ء میں لندن میں اسلامک سنٹر کے زیر اہتمام منعقد کیے گئے ایک جلسہ میں کی گئی تھی، جس میں حاضرین وسامعین کی بڑی تعداد عرب نوجوانوں اور فضلاء کی تھی، یہاں پر ''کاروان زندگی حصہ پنجم'' سے نقل کی جا رہی ہے۔

غیر اسلامی تہذیب واقتدار کے مرکزوں میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داریاں

بزرگو! ایک ایسے ملک میں جس میں اسلام ایک محکومانہ مذہب کی حیثیت رکھتا ہو اور مغربی اقدار اور غیر اسلامی طرز معاشرت کی بالا دستی ہو اور جس میں ذاتی منافع اور سیاسی و جماعتی فائدوں ہی کو سب کچھ سمجھا جاتا ہو اور لذت کو ایک فلسفہ کی شکل دیدی گئی ہو، جس میں تمام تر اعمال واخلاق اور کاوشوں کا محور اسی کو سمجھا جانے لگا ہو، ایسے ملک میں مسلمانوں کی (جب کہ وہ وہاں اقلیت میں ہوں) بہت ہی نازک ذمہ داری ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ ان میں غیر متزلزل ایمان ہو، جرأت مندانہ کردار ہو، وہ پوری حکمت عملی سے کام لیں، پھر ان میں اس پیغام ودعوت پر پورا اعتماد ہو جس سے اللہ نے ان کو مشرف فرمایا ہے، یہ بھی ان کے لئے ضروری ہے کہ ان کا ایک بلند معیار ہو اور وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہونے پائیں، اگر وہ اس بلند معیار پر نہ ہوئے تو وہ اپنی ذات کو اور اپنی قوم کو حقارت کی نگاہ سے، اور مغربی تہذیب کے مقلدوں اور اس کے خوشہ چینوں کی حیثیت سے دیکھیں گے، اس صورت میں وہ کوئی مؤثر اور اہم کردار ادا نہیں کر سکتے جو لوگوں کی توجہ کو مرکوز کر سکے، اور کچھ تبدیلی عمل میں لا سکے۔

میں آپ کے سامنے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے آپ کے سامنے یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی، اور ایک ایسے غیور مسلمان کا کردار بھی آپ کے سامنے آئے گا جس کو اپنی دعوت اور پیغام پر پورا اعتماد تھا اور یہ ظاہری شان وشوکت اور دلفریب مناظر اس کی نظر میں ٹھیکروں سے زیادہ وقعت نہ رکھتے

تھے اور ظاہری عیش وعشرت پر جینے مرنے والوں اور جاہلی زندگی گزارنے والوں پر اس کو ترس آتا تھا، یہ تاریخ اسلام کے قرن اول کا واقعہ ہے، اس کو میں آپ کے سامنے بیان کرر ہا ہوں، اس میں عبرت ونصیحت بھی ہے، اور یہ ہمارے لئے سبق آموز بھی ہے۔

ایرانی افواج کا سب سے بڑا قائد جس کو رستم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کو اپنے دبدبہ اور شان وشوکت میں شہنشاہ ایران کے قریب ہی سمجھا جاتا تھا، اس نے لشکر اسلام کے قائد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ کسی ایسے آدمی کو بھیج دیا جائے جو اس مقصد کی وضاحت کرے جو عرب کے صحرانشینوں اور بدوؤں کو ان متمدن ملکوں تک لے آیا جو تہذیب وتمدن اور عسکری قوت میں نقطہ عروج پر ہیں، اور ملک عرب کو ان سے کوئی نسبت نہیں۔

اب غور کیجئے کہ وہ آدمی جو تخت سیادت وقیادت پر بیٹھا ہوا ہے، اور ایک بڑے رقبہ پر اس کی حکومت ہے، اس کا عربوں کے بارہ میں کیا تاثر ہوگا جو خیموں اور کچے مکانات میں بود و باش رکھتے تھے، اور جن کا گزارہ کھجور اور اونٹ کے گوشت پر تھا، وہ کس لاپرواہی اور حقارت کی نگاہ سے عربوں کی طرف دیکھتا ہوگا، اس نے کہلوایا کہ کوئی ایسا آدمی بھیج دیا جائے جو اس مقصد ومحرکات کی ترجمانی کردے جو ان کو یہاں لائے ہیں۔

یہ اسلام کا معجزہ ہے کہ اس نے تمام عربوں کو فکر وعقیدہ وایمان باللہ اور مقصد اسلام پر ناز وفخر کے ایک بلند وبالا معیار پر پہنچا دیا تھا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا، یہ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ جن سے اکثر علمائے تاریخ وسیر ناواقف ہیں، ان کو لشکر اسلام میں کوئی شان امتیازی بھی حاصل نہ تھی، میں آپ کے سامنے یہ قصہ کوئی افسانہ کے طور پر

نہیں بیان کرر ہا ہوں کہ جس میں صرف وقتی مزہ ہے یا قومی فخر وعزت کا سامان ہے، میں اس لئے آپ کے سامنے اس قصہ کا ذکر کرر ہا ہوں تا کہ آپ اس طاقتور ایمان واعتماد کا جس نے ایرانی لشکروں کے قائد عام رستم کے سامنے اس جرأت مندانہ اور آزادانہ گفتگو پر آمادہ کیا کچھ اندازہ کرسکیں اور مومن کے کردار، جرأت وعزم اور ایمانی قوت کا، مغربی تہذیب وترقی اقتدار وغلبہ کے بارہ میں اپنے موقف اور کردار سے موازنہ کرسکیں، یہاں ہمارا اپنے آپ کے ساتھ اپنے پیغام کے ساتھ اور اپنی ذمہ داریوں کے ساتھ کیا معاملہ ہے اور مغربی تہذیب جو یہاں رائج ہے اور جس کو اس وقت معاصر دنیا میں سیادت وقیادت کا مقام حاصل ہے، اس کی طرف ہم کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ رستم کے دربار میں تشریف لائے ان کے لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے، معمولی سی تلوار اور ڈھال ان کے ساتھ تھی، ایک معمولی اور پست قد وقامت گھوڑے پر سوار تھے، اسی حال میں قالینوں کو روندتے ہوئے تشریف لائے، پھر گھوڑے سے اترے وہیں کسی تکیہ سے اس کو باندھ دیا اور رستم کی طرف بڑھنے لگے، ہتھیار ان کے ساتھ تھے، زرہ میں ملبوس تھے، اور سر پر خود تھا، خدم وحشم اس پر معترض ہوئے اور کہنے لگے ہتھیار اتار دو، حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں خود تمہارے پاس نہیں آیا، تمہاری دعوت پر آیا ہوں، اگر اسی حال میں جانے دیتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ میں واپس جاتا ہوں، رستم نے کہا آنے دو، حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اپنے نیزہ کو ان ریشمی قالینوں پر ٹیکتے ہوئے آگے بڑھے حتی کہ ان میں اکثر قالین پھٹ گئے۔

ربعی رضی اللہ عنہ رستم کے پاس پہنچے، رستم نے پوچھا کہ عرب کس مقصد سے یہاں آئے ہیں؟ انہوں نے پورے ایمان ویقین کے ساتھ جو ان کے رگ

در یشہ میں سرایت کر چکا تھا، اور بھر پور اعتماد کے ساتھ جس نے ان کے اعصاب کو مضبوط بنا دیا تھا، غیر متزلزل اور پختہ عقیدہ تھا، اس لئے کہ ان کی پشت پر جو چیز کارفرما تھی وہ آسمانی کتاب تھی، نبوت صادقہ تھی، بلند ہمت تھی اور تیر بہدف نگاہ تھی، انہوں نے فرمایا: ہم کو اللہ نے اس لئے بھیجا ہے، تا کہ ہم ان لوگوں کو جن کو اللہ چاہے بندوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کی غلامی میں لے آئیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں لائیں اور مذاہب کے جور وستم سے نکال کر اسلام کا عدل وانصاف عطا کریں''۔

بزرگو اور دوستو۔ اسلام کے پیغام ودعوت اور اس کے بنیادی مقاصد کے بارہ میں حضرت ربعیؓ نے جو فرمایا اس پر کامل یقین کے ساتھ اور جو انہوں نے لوگوں کو اللہ کی بندگی کی طرف لانے اور دوسرے مذاہب کے جور وستم سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف کی راہ دکھانے کا ذکر فرمایا اس پر کوئی حیرت واستعجاب نہیں ہوتا کہ یہ ان کے عقیدہ اور یقین کی بات تھی، لیکن مجھے ان کے اس جملہ پر بڑی حیرت واستعجاب ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ ہمیں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت کی طرف لائیں، اگر وہ دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں لانے کا ذکر فرماتے تو مجھے ادنیٰ تعجب نہ ہوتا، اس لئے کہ یہ تو ایسی حقیقت ہے جس پر ہر مسلمان اور صاحب ایمان یقین رکھتا ہے اور حضرت ربعیؓ کا واقعہ تو قرن اول کا ہے، میں ان کے اس جملہ پر غرق حیرت ہو جاتا ہوں کہ ہم تم کو دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعتوں میں لانا چاہتے ہیں، گویا کہ وہ فرما رہے ہیں ہم نے اپنے اوپر ترس کھا کر اور ان ملکوں کے عیش وعشرت کی طمع میں اپنے وطن کو ترک نہیں کیا، ہم تو یہاں تم پر ترس کھا کر آئے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ تم کو تنگ وتاریک قید خانہ سے آزاد کریں جس

میں تم اس پرندہ کی طرح زندگی گزار رہے ہو جس کو کسی ظرف یا قفس میں بند کر دیا جاتا ہے اور دانہ اور پانی اسی کے اندر دے دیا جاتا ہے، اس لئے کہ تم اپنی عادتوں اور ضرورتوں کے غلام ہو، خواہشات نفس کے غلام ہو، مروجہ فیشنوں سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے، تمہارے لئے تنہا ایک لمحہ گزارنا مشکل ہے، تم اپنی مرضی کے مطابق کوئی کام نہیں کر سکتے، تم کو قدم قدم پر خادموں اور معاونوں کی ضرورت ہے، پہرہ داروں اور چوکیداروں کی ضرورت ہے، کوئی کام بھی تم بغیر کسی مددگار کے انجام نہیں دے سکتے۔

تاریخی شواہد موجود ہیں کہ جب شاہ ایران یزدگرد اپنی مملکت سے فرار ہوا تو درمیان سفر اس کو پیاس لگی، ایک گھر میں داخل ہوا، اس کو ایک معمولی روزمرہ کے استعمال کے گلاس میں پانی دیا گیا تو اس نے کہا کہ اس گلاس میں پانی نہیں پی سکتا، اس لئے کہ وہ تو سونے اور چاندی کے گلاس میں پانی پینے کا عادی تھا، ایرانیوں کا تو یہ حال تھا کہ اگر ان میں کوئی بڑا آدمی ایک لاکھ درہم سے کم کا تاج پہنتا یا اس کے پاس عالی شان محل اور اس کے لوازمات حوض وفوارہ او رباغات نہ ہوتے تو اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا۔

گویا کہ حضرت ربعی رضی اللہ عنہ یہ فرما رہے ہیں کہ تم تو اپنے خادموں کے خادم اور غلاموں کے غلام ہو اس لئے کہ ان سے زیادہ تم ان کے محتاج ہو، ہماری آرزو ہے کہ تمہیں اس تنگ وتاریک قید خانہ سے نکال کر وسعت وآزادی کی فضاء میں لائیں، ہم یہاں اپنی ضرورت سے نہیں آئے، ہم نے تو یہ دور دراز کا سفر تمہاری ضرورت کے پیش نظر کیا ہے، ہمارے لئے اپنے وطن میں کوئی تنگی نہیں وہ صحرا تو بڑا کشادہ اور وسیع ہے ہم کو تو تمہاری اس غیر فطری اور غیر طبعی معیشت پر بے چینی ہے، جس میں تم مست ہو، یہی بے چینی ہمیں یہاں لائی ہے، ہم لوگ

خواہشات پر چلنے والے نہیں ہیں، ہم خاص پوشاک اور راتب کے غلام نہیں ہیں اور نہ خادموں اور غاشیہ برداروں کے محتاج ہیں، ہم صحراء میں آزادی کی زندگی گزارنے والے ہیں، جو میسر آتا ہے کھاتے ہیں اور شکر کرتے ہیں، ہم کو تو اللہ نے اس لئے بھیجا ہے کہ جس کو وہ چاہے اس کو ہم لوگوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ کی غلامی میں لے آئیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت عطا کریں، اور مذاہب کے جور وستم سے آزاد کرا کے اسلام کے عدل وانصاف سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں، تم مذاہب کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے ہو جس کے نتیجہ میں مصیبتوں میں گرفتار ہو، ذلت وخواری تمہارا مقدر بنی ہوئی ہے، اور حقیقی سکون وراحت تم کو نصیب نہیں ہے۔

میرے بھائیو اور دوستو! میں طوالت دینا نہیں چاہتا، آپ کی بھی ذمہ داریاں اور مشغولیتیں ہیں، میں آپ سے مختصراً کہتا ہوں، آپ یہاں آزادانہ مؤثر اور بنیادی کردار ادا کریں، آپ کی زندگی مثالی زندگی ہو، جو لوگوں کی نگاہیں پھیر دے اور توجہ مرکوز کر دے، ذہنوں میں ایسے سوالات پیدا ہوں جو موازنہ کرنے پر مجبور کریں، اور اسلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہو، اگر آپ نے بھی مغربی طرز معاشرت اختیار کر لیا، آپ انہی کے مقلد بن گئے، اور اپنے بلند معیار سے اپنے کو نیچے گرا لیا تو آپ میں اور یہاں کے مغربی باشندوں میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہ سکتا اور نہ ان میں معلومات کا شوق اور غور وفکر کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے، اور نہ آپ کا احترام ان کے دل میں آسکتا ہے چہ جائیکہ وہ آپ کو قابل تقلید نمونہ سمجھیں۔

لیکن جب آپ ان کے سامنے ایک نامانوس طریقہ زندگی پیش کریں گے تو اس سے ان کے اندر ایک جستجو پیدا ہوگی، اور وہ آپ سے پوچھنے پر مجبور

ہوں گے کہ یہ طریقہ زندگی آپ نے کہاں سے اخذ کیا اور یہ بلند و بالا اقدار
اور اخلاق فاضلہ آپ نے کس سے سیکھے، ان میں اشتیاق پیدا ہوگا کہ ان کو آپ
ایسا لٹریچر دیں جس سے وہ اسلام سے متعلق مستند معلومات حاصل کریں، اور آپ
ان کو رسول اللہ صلی اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ سے روشناس کرائیں اور ان کو وہ راستہ
دکھائیں جس پر چل کر آپ کے اندر یہ قدریں پیدا ہوئیں اور یہ بلند کردار آپ
کو حاصل ہوا، اس وقت وہ آپ کو احترام وعقیدت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

مسلمان بھائیو اور یہاں کے باشندو! (خواہ وہ یہاں کے نیشنل ہو یا
کچھ مدت کے لئے آئے ہوئے ہوں) ایسا نمونہ زندگی پیش کیجئے جو ان میں
اسلام کے مطالعہ کا شوق پیدا کر دے اور اس راستہ کو جاننے کا اشتیاق پیدا کر دے
جس پر چل کر یہ طرز زندگی اور طریقہ فکر ہم کو عطا ہوا، یہی تنہا وہ انقلاب انگیز راستہ
ہے جس پر چل کر آپ ان غیر اسلامی ملکوں میں مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں، اگر
آپ ان ہی کے رنگ میں رنگ گئے اور وہی طریقہ زندگی اختیار کر لیا، (خواہ یہ
احساس کمتری اور نقالی کا جذبہ عالم عربی میں ہو یا ہندوستان یا افریقہ کے کسی حصہ
میں یا دنیا کے کسی بھی ملک میں) آپ ہرگز ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتے، اور کوئی
تبدیلی عمل میں نہیں لا سکتے خواہ سو سال یا اس سے زیادہ مدت تک وہاں قیام اور
زندگی گزارنے کا موقع ملے۔

آخر میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے سکون و
اطمینان کے ساتھ تقریر سنی اور اگر مجھ سے کوئی زیادتی ہوئی ہو تو معذرت خواہ
ہوں۔

مجالس

مجالس

برصغیر میں ملفوظات نویسی کا آغاز فوائد الفؤاد سے ہوا ہے جو سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۲۵ھ-۱۳۱۵ء) کے ملفوظات پر مشتمل ہے، اس کے بعد برصغیر کے ہر گوشہ میں اور تصوف کے ہر سلسلہ میں بلکہ بہت سے علماء کے یہاں اس نے رواج پکڑا، ان ملفوظات و مجالس میں خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (م ۷۵۷ھ-۱۳۵۶ء) کے ملفوظات پر مشتمل "خیر المجالس"، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (م ۸۲۵ھ) کے ملفوظات بنام "جوامع الکلم"، اور شیخ شرف الدین یحیٰی منیری (م ۱۳۸۱ء) کے ملفوظات بنام "معدن المعانی" خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ آکسفورڈ سنٹر کی مجلس انتظامی کے صدر ہونے کی حیثیت سے تقریباً ہر سال اس کی مجلس انتظامی کے جلسوں میں شرکت کرتے، یہاں میرا قیام جنوری ۱۹۹۱ء سے ہے، اس دوران حضرت جب بھی تشریف لائے میں صبح و شام خدمت میں حاضر رہتا، صبح سے شام تک مجالس میں علمی، ادبی، تحریکی اجتماعی اور دینی گفتگوئیں ہوتیں، ان مجالس میں مختلف مشہور علمی و دینی معزز شخصیات بھی موجود رہتی تھیں، ان گفتگو کی اہمیت اور قیمت کے پیش نظر میں نے طے کیا کہ آئندہ حضرت مولانا کی تشریف آوری کے موقع پر ان مجالس کے قلم بند کرنے کی "کوشش کروں گا" چنانچہ اگست ۱۹۹۳ء

کے آخر میں مولانا تشریف لائے تو میں نے ان مجالس کے مقید کرنے کا اہتمام کیا۔

اس سال آکسفورڈ میں دو تقریبیں جمع تھیں، ایک اگست کی ۱۹ رتاریخ کو بین الاقوامی رابطہ ادب اسلامی کا سیمینار، اور دوسری پہلی ستمبر کو آکسفورڈ سنٹر کی مجلس انتظامی کی سالانہ میٹنگ، حضرت مولانا ۱۷؍ اگست کی شام کو دبئی کے راستہ سے یہاں پہنچ رہے تھے، پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم اور ڈاکٹر فرحان احمد نظامی صاحب کے ہمراہ میں سات بجے شام کو لندن کے مشہور ایرپورٹ ہیتھرو پہنچ گیا تھا، جہاز وقت پر آیا۔ حضرت مولانا پر سفر کی تکان کا اثر تھا، آکسفورڈ پہنچ کر حضرت مولانا نے نماز ادا کی، اور کھانا تناول کرنے کے بعد آرام کرنے کے لئے تشریف لے گئے، میں کچھ دیر تک استاذ محترم مولانا رابع صاحب اور عثمان بھائی سے باتیں کرتا رہا، اور پھر آرام کے لئے چلا گیا، دوسرے روز صبح میں ناشتہ کے وقت حاضر ہوا اور پوری توجہ سے مولانا کے قیام آکسفورڈ کی ساری مجالس مقید کرتا رہا۔

مجلس اول

(۲۸/ اگست بروز اتوار ناشتہ کے وقت)

طلبہ میں تہذیب وشائستگی:

حضرت مولانا نے فرمایا کہ اب تعلیمی اداروں میں طلبہ کے اندر وہ شائستگی، تہذیب وادب نہیں، جب میں ندوہ میں طالب علم تھا طلبہ شرارتیں کرتے تھے لیکن وہ بھی تہذیب وادب کے دائرہ میں ہوتی تھیں، اس پر پروفیسر نظامی صاحب نے یہ واقعہ سنایا کہ جس زمانہ میں علامہ شبلی علی گڑھ میں پڑھا رہے تھے اس وقت ان کے شاگردوں میں منشی ذکاء اللہ صاحب کے صاحبزادے بھی تھے، جو مختلف قسم کی شرارتیں کیا کرتے تھے، مولانا شبلی ان کی شرارتوں سے پریشان تھے، اس کی شکایت ان کے والد صاحب سے کی، اسی دوران علامہ شبلی کسی کام سے دلی گئے ہوئے تھے، وہاں ایک موچی سے اپنے جوتے درست کرواکے اپنی قیام گاہ کی طرف جارہے تھے، منشی ذکاء اللہ صاحب کے صاحبزادہ نے انہیں دیکھ لیا، دوڑے ہوئے آئے، اور جوتے زبردستی لے کر اپنے سر پر رکھ لئے، مولانا شبلی اس سے بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ خاندانی شرافت کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

مجلس دوم

(۲۸/ اگست بروز اتوار ناشتہ کے بعد)

علامہ سید سلیمان ندوی کا ایک واقعہ

پروفیسر نظامی صاحب نے علامہ سید سلیمان ندوی کا یہ واقعہ سنایا کہ

ایک بار اپنے داماد سید حسن صاحب سے ملنے میرٹھ تشریف لائے، سید حسن صاحب وہاں ڈپٹی کلکٹر تھے، سید صاحب نواب اسماعیل خان کی کوٹھی پر ان سے ملنے تشریف لے گئے، میں بھی وہاں تھا، مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، اس دوران میں نے سید صاحب سے اپنے ذاتی کتب خانہ کا تذکرہ کیا، آپ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، دوسرے روز تشریف لائے، ان دنوں سید صاحب حیات شبلی تصنیف فرما رہے تھے، کتابوں کے دیکھنے میں ایسا محو ہوئے کہ جمعہ کی نماز کا وقت آ گیا، میں نے عرض کیا کہ میں نے ''التمش کے مذہبی رجحانات'' کے عنوان سے ایک مضمون بغرض اشاعت معارف میں بھیجا تھا، مگر واپس آ گیا، فرمایا کہ ہم کو کیا معلوم کہ کس کا مضمون ہے آپ نے اس پر متعلم لکھ کر بھیجا تھا، ہم نے سمجھا کہ جیسے اور متعلم ہوتے ہیں، ویسے ہی یہ بھی ہوگا، ہمیں کیا معلوم کہ یہ مضمون آپ کا تھا، حضرت مولانا نے پروفیسر نظامی صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ پورے برصغیر میں وسیع النظری اور مطالعہ میں آپ کا کوئی ہمسر نہیں، بہت دنوں تک ہم آپ سے استفادہ سے محروم رہے۔

المدخل إلى دراسات الحديث النبوي الشريف:

اس کے بعد حضرت مولانا نے اپنی تازہ ترین تصنیف ''المدخل إلی دراسات الحدیث النبوی الشریف'' کا تذکرہ کیا، فرمایا ہم نے حدیث پر ایک مؤرخانہ اور مبصرانہ مضمون لکھا ہے، جس میں حدیث کی افادیت اور خصوصیت پر روشنی ڈالی ہے، فرمایا کہ تمام پیغمبروں میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ کی پوری زندگی محفوظ کر دی گئی ہے، آپ کی زندگی کا ہر جزیہ اور آپ کی عادات سب احادیث میں محفوظ ہیں، دنیا کی دوسری قوموں نے اپنے

پیشواؤں کے گرد خرافات کا ڈھیر ڈال دیا ہے، یہ صرف حضور ﷺ کی خصوصیت ہے کہ حدیث نے آپ کی حیات اور سیرت کو خرافات سے محفوظ کر دیا۔

سنت کی مخالفت کے اسباب

فرمایا: ہم نے اس رسالہ میں واضح کیا ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے حدیث کی مخالفت کی گئی، وہ کیا عوامل تھے جن کی بنا پر مستشرقین نے خاص طور سے حدیث کو نشانہ بنایا، مستشرقین اور مغربی تہذیب کے نمائندوں کو سب سے زیادہ رکاوٹ حدیث کی طرف سے پیش آئی، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں نے مسلمانوں کو ایک طریقۂ زندگی عطا کیا، اور ساری دنیا کو ایک تہذیب عطا کی، احادیث نے من مانی تاویلات کا دروازہ بند کر دیا، اس سلسلہ میں حضرت مولانا نے ٹخنہ سے اوپر پائجامہ پہننے کی سنت اور بے پردگی کی مذمت پر مشتمل احادیث کو بطور مثال پیش کیا۔

حدیث کے متعلق کچھ مشورے

فرمایا: حدیث کے سلسلہ میں ہم نے کچھ مشورے دیئے ہیں، اپنے زمانۂ طالب علمی کی تجربات لکھے ہیں، حدیث کے موضوع پر ہندوستان میں ہونے والے کاموں کا تذکرہ کیا ہے، اخیر دور میں ہندوستان میں جو کام ہوا ہے اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اس رسالہ میں علم رجال واصول حدیث کی ضرورت و افادیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

سلفی تحریک:

فرمایا: ہمارے یہاں سلفی تحریک چل رہی ہے، یہ تحریک فقہی مذاہب

کے خلاف چل رہی ہے، کہتے ہیں کہ تم حنفی نماز پڑھتے ہو، اور ہم رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھتے ہیں۔

سلفی تحریک کی اصل ذمہ داری

فرمایا کہ فروعی اختلافات میں صلاحیتوں اور اوقات کو مشغول کرنے کے بجائے اصل نشانہ شرک و بدعت کو بنانا چاہئے تھا، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے جانشینوں نے کیا تھا، جس طرح سید احمد شہیدؒ نے اپنی پوری توجہ بنیادی چیزوں پر مرکوز کی تھی، سید صاحب کے بارے میں ایک محتاط مؤرخ نے لکھا ہے کہ ان کے ہاتھ پر بائیس ہزار آدمی مسلمان ہوئے، تیس لاکھ آدمی تائب ہوئے، ان کے سلسلہ میں داخل ہونے والوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے، یہ ہے وہ میدان جہاں طاقت صرف کرنے کی ضرورت ہے، اس کے برخلاف ہمارے ملک میں سلفیت کے نام پر جو غیر ضروری محنت صرف ہو رہی ہے اس کی تعبیر عربی میں اس طرح کی جاتی ہے "جهاد في غير جهاد و نضال في غير عدو"۔

رسالہ کی اہمیت

اس کتاب پر مولانا عبداللہ عباس صاحب کا مقدمہ ہے، جس میں انہوں نے دکھایا ہے کہ ہمارا حدیث سے کیا تعلق رہا ہے، اس رسالہ میں بخاری شریف کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے، فتح الباری کے بارے میں لکھا ہے، اور حنفی اور سلفی شرحوں کا تذکرہ کیا ہے، یہ رسالہ نئے طرز پر ہے، اب اس کا اردو میں ترجمہ ہو رہا ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب کو اپنی یہ

تازہ اور قیمتی تصنیف پیش کی، اس دوران مولانا نے کتاب کے عناوین پڑھ کر سنائے، اوران عناوین کی تشریح کی۔

امت کی زندگی کے لئے ایک میزان

اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ امت کی عملی حالت کیا ہے، تو اس کے لئے حدیث ہی میزان ہوگی، حدیث سے احتساب ہوسکتا ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے پہلے ہندوؤں کی بہت سی عادتیں اور غیر اسلامی تہذیب کے عناصر مسلمانوں میں داخل ہوگئے تھے، حدیث کے سلسلہ میں صرف کی جانے والی مجددانہ کوششوں سے ان رسوم وخرافات کی اصلاح ہوئی۔

حدیث سے عدم اشتغال کے دوررس اثرات

فرمایا جس ملک میں طویل دور تک حدیث سے عدم اشتغال رہا ہو وہاں اصلاحی تحریکیں نہیں پیدا ہوسکتیں۔

تراجم ابواب بخاری

حدیث پر اپنے مذکورہ بالا رسالہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی "الجامع الصحیح" کے تراجم ابواب کی خصوصیات و لطائف پر بھی روشنی ڈالی گئی، ان تراجم سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ذکاوت اور قوت استنباط کا اندازہ ہوتا ہے۔

موطأ کی ہندوستانی شرحیں

حدیث کی اولین کتاب موطا کے بارہ میں فرمایا کہ موطأ کے دو نسخے

خاص طور سے اہمیت کے حامل ہیں، ایک بروایت یحیی بن یحیی لیثی مصمودی، اور دوسرا بروایت امام محمد بن الحسن الشیبانی، پہلی روایت پر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے دو شرحیں لکھی ہیں، ایک فارسی میں مصفی کے نام سے، دوسری عربی میں المسوی کے نام سے، اور موطأ امام محمد پر مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے کام کیا۔

حدیث سے متعلق علوم وفنون

فرمایا کہ حدیث کی حفاظت کی خاطر مختلف علوم وفنون وجود میں آئے، حدیث کی لغات کے سلسلہ میں ہندوستان میں بہت اہم کام ہوا، علامہ محمد طاہر پٹنی کی "مجمع بحار الأنوار "لغات حدیث پر ایک اہم کتاب ہے۔

عصر حاضر میں حدیث کی اہمیت

فرمایا کہ اس زمانہ میں حدیث کی اہمیت کو اور زیادہ واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کے ذریعہ امت دوسری تہذیبوں کی یلغار سے محفوظ رہ سکتی ہے، اس سمت میں محمد اسد کی کتاب "الإسلام علی مفترق الطرق" بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

معجزانہ کوششیں

فرمایا کہ محدثین نے حدیث کے میدان میں جو کارنامے انجام دیئے اور اس کی حفاظت کے سلسلہ میں جس باریک بینی کا مظاہرہ کیا وہ آج معجزہ سے کم نہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد آئے تو بغداد کے محدثین نے آپ

کا امتحان لینا چاہا، دس محدثین نے دس دس حدیثیں لیں، اور ہر ایک نے اپنی حدیثوں کی اسانید و متون ایک دوسری سے مخلوط کر کے امام بخاری کے سامنے پیش کیا، امام بخاری ہر حدیث پر یہی کہتے کہ مجھے نہیں معلوم، جب دسوں نے اپنی حدیثیں سنالیں تو امام بخاری نے پہلے محدث کو بلایا اور کہا کہ آپ نے پہلی حدیث اس طرح سنائی اور صحیح حدیث یہ ہے، دوسری حدیث اس طرح سنائی اور صحیح یہ ہے، اس طرح ان سب کی خلط کردہ احادیث مع اسانید سنائیں، اور پھر اصل احادیث سنائیں، امام صاحب کی یادداشت اور باریک بینی کی شہادت کے لئے یہ ایک اہم واقعہ ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ہمیں اس پر حیرت نہیں کہ امام صاحب نے صحیح احادیث سنادیں، حیرت اس پر ہے کہ ان کی مخلوط روایات بھی جوں کی توں سنادیں۔

شیعہ اور المرتضیٰ

اثنائے گفتگو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر اپنی تصنیف ''المرتضیٰ'' کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض انصاف پسند شیعوں نے بھی اس کو سراہا ہے۔

حضرت علی اور خلفائے ثلاثہ

فرمایا کہ ہم نے یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں خلفائے ثلاثہ کا کس قدر احترام تھا، جہاں شبہ ہوتا ان کی خوب تعریف کرتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ ارتداد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ کو شریک ہونے سے روک دیا، بیت المقدس کے عیسائیوں نے شرط رکھی تھی کہ بیت المقدس کی کنجی ہم براہ راست حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کریں گے، بعض صحابہ کرام نے آپ

کے سفر کی مخالفت کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ جائیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پہرے پر رکھا۔

ترتیب خلافت اور حکمت الٰہی

فرمایا کہ یہ خاص حکمت الٰہی تھی کہ جس دور میں جس چیز کی ضرورت تھی اس وقت اسی سے کام لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد ایسے شخص کی ضرورت تھی جو تبدیلی کو گوارا نہ کرے، عیسائی مذہب کو ایسا آدمی فراہم نہ ہوسکا، اس لئے سینٹ پال مذہب کو بدلنے میں کامیاب ہوگیا، اس کے برخلاف اسلام میں اللہ تعالیٰ نے فوراً ایسا آدمی کھڑا کیا جو تبدیلی کو گوارا نہ کرے، وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے فرمایا " أینقص الدین و أنا حی " اس کے بعد ضرورت تھی کہ دین کے اصل حاملین میں تبدیلی نہ ہو، ان کے بنیادی جوہر اور خصوصیات باقی رکھے جائیں تاکہ دین میں نئے نئے داخل ہونے والوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام ہوسکے، اور جاہلی تہذیبوں کے اثرات سے نو مولود اسلامی معاشرہ محفوظ رہ سکے، یہ کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا، انہوں نے شام میں ظاہر ہونے والی بعض تبدیلیوں پر ناگواری کا اظہار کیا، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ کام کئے جو ان کے دور کے لحاظ سے بالکل مناسب تھے۔

مولانا ظفر علی خان کا ترجمہ

انگریزی سے اردو میں ترجموں پر بات نکلی تو فرمایا کہ مولانا ظفر علی خان انگریزی سے اردو میں بہت اچھا ترجمہ کرتے تھے۔

ذوالنورین

فرمایا: مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی ذوالنورین میں حدیث کا تذکرہ اس طرح آیا ہے کہ اس سے کچھ نقد ظاہر ہوتا ہے جس سے غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے، اس سے رواۃ حدیث پر بے اعتباری پیدا ہوتی ہے۔

عقاد کی کتاب

فرمایا حضرت عثمان رضی ﷺ پر سب سے اچھی کتاب عباس محمود العقاد کی ہے، لیکن اس میں بھی بعض جگہوں پر تنقید آئی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کوئی اچھی کتاب نہیں ہے، بڑے کام کی ضرورت ہے، بہت خلا ہے۔

حضرت عثمان پر سید قطب کی تحریر

سید قطب شہیدؒ نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لکھا ہے، اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کچھ تنقید آگئی تھی، میں نے اس سلسلہ میں ان کو خط لکھا تھا، پھر انہوں نے نئے ایڈیشن میں وہ حصہ نکال دیا۔

اصلاح معاشرہ کانفرنس

ندوۃ العلماء میں منعقد کی گئی کامیاب اصلاح معاشرہ کانفرنس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ بہت غیر معمولی تھی، بہت کامیاب تھی، تین ہزار آدمی باہر سے تھے، ہزاروں لوگ قرب وجوار سے تھے، ہم نے کل مسلمان اور اسلام پر زور دیا، تمام مسلمان پورے اسلام کو اپنی زندگیوں میں نافذ کریں، سو فیصدی مسلمان سو فیصدی اسلام میں داخل ہوں، اس میں تمام معاشرتی امور آجاتے ہیں، اس میں کوئی تقسیم نہیں ہے۔

اسلام اور جاہلیت کا فرق

فرمایا کہ اس میں میں نے اسلام اور جاہلیت کا فرق واضح کیا، بہت سے لوگوں کا تصور عرب جاہلیت کے بارے میں محدود ہوتا ہے، یہ جاہلیت عالمیہ ہے، جاہلیت کے معنی اصطلاحی طور پر من مانی زندگی کے ہیں، لوگ من مانی زندگی سے نکلیں، قرآن کریم میں فرمایا ہے "یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً" شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے "اے ایمان والو داخل ہو جاؤ مسلمانی میں پورے پورے"، ایک دوسری آیت میں ہے "اَفَحُکْمَ الْجَاھِلِیَّۃِ یَبْغُوْنَ" حکم کے معنی صرف فیصلہ کے نہیں ہیں، اس کے معنی اختیار و ترجیح کے ہیں، جاہلیت کے اختیارات و ترجیحات پر تنقید کی گئی ہے۔

مجدد صاحب

فرمایا: مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں زبردست کام کیا، ہم مجدد صاحب کی قبر پر حاضر ہوئے تو اقبال کی اس نظم کے اشعار پڑھتے رہے:

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

ہندوستان میں اسلام کے تین اساطین

فرمایا: مجدد صاحب، شاہ ولی اللہ دہلوی اور اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہم ہندوستانی مسلمانوں کے تین بنیادی اساطین ہیں، یہ تینوں شخصیتیں نہ ہوتیں تو ملت محفوظ نہ رہتی۔

مجلس سوم

(۲۸/ اگست بروز اتوار عصر کے بعد)

ایک مزاح

اس وقت مجلس میں ساؤتھ افریقہ سے برادر مکرم علی آدم ندوی، اور لسٹر سے حضرت سے وابستہ ولی آدم بھائی بھی تھے، چائے کے دوران ان دونوں حضرات کی مناسبت سے آپ نے فرمایا: یہ علی آدم ہیں، یہ ولی آدم، اور ہم سب بنی آدم۔

اقبال اور عشق رسول

فرمایا: اقبال کے سامنے مدینہ کا نام لینے سے آنکھوں میں آنسو آجاتے، اس پر پروفیسر نظامی صاحب نے فرمایا: لگتا تھا کہ سسٹم کام کررہے ہیں، ایک طرف باتیں کررہے ہیں، دوسری طرف درود شریف چل رہا ہے، حالانکہ وہ فلسفہ کے طالب علم تھے، پھر بھی ان کے اندر اس قدر عشق رسول تھا، ایک صاحب نے اقبال کے سامنے مختلف زبانوں پر تبصرہ شروع کردیا، عربی زبان پر تنقید کی، تو اقبال نے فرمایا کہ تم میرے آقا کی زبان کی ہجو کرتے ہو، اور اسے فوراً نکال دیا۔

مدینہ منورہ میں اقبال پر تقریر

فرمایا: مجھے لوگوں نے مدینہ منورہ میں اقبال کی ادبی فکر پر تبصرہ کرنے کی دعوت دی، اس کے لئے مغرب کے بعد کا وقت طے کیا گیا، ہم نے کہا کہ مسجد نبوی کے قریب اس ذات کے علاوہ کسی اور کا ذکر بے ادبی ہے، لیکن میں اس وقت جس کا تذکرہ کرنے جارہا ہوں اس کو عشق رسول تھا، اس لئے جواز پیدا ہوتا

ہے، اس واقعہ کو تقریباً دس سال ہو گئے ہوں گے۔

ایران اور اقبال

فرمایا: ہم جب ایران گئے تو ہمیں افسوس ہوا کہ اقبال کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں، اقبال نے فارسی میں اس لئے اشعار کہے تھے کہ یہاں ان کا کلام پہنچے، لیکن یہاں ان کا کوئی نام نہیں، صرف ایک جگہ ایک قطعہ لگا ہوا تھا، اس میں کوتاہی پاکستان کی ہے، ضرورت تھی کہ پاکستان سے ادباء کے وفود جاتے جو اقبال کا کلام پیش کرتے، اور وہاں کے لوگوں کو اقبال کی فکر و زبان سے متعارف کراتے، سوائے ضیاء الحق مرحوم کے کسی نے کوئی کام نہیں کیا، اس سے زیادہ تو عربوں کو اقبال کے کلام کا ذوق ہے۔

اصلاح معاشرہ کانفرنس

ڈیوز بری سے مولانا محمد یعقوب صاحب منشی اور دوسرے علماء کی آمد پر ندوۃ العلماء میں ہونے والی اصلاح معاشرہ کانفرنس پر گفتگو شروع ہوئی، فرمایا: یہ کانفرنس بڑی کامیاب ہوئی، اس میں میں نے زور دیا کہ کل مسلمان اور کل اسلام۔

اصلاح معاشرہ اور حدیث شریف

حدیث شریف کی تعلیمات نے معاشرہ کی اصلاح میں بنیادی کردار ادا کیا ہے، مثلاً شادی کے موقع پر ہمارے یہاں کس قدر رسومات ادا کی جاتی ہیں، اور کتنی فضول خرچی ہوتی ہے، حدیث شریف میں شادی کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ایک

بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے لباس میں زردی کا اثر تھا، آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے شادی کی ہے، حضرت عبدالرحمٰن نے کوئی معذرت نہیں کی اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملامت کی کہ مجھے کیوں نہیں بلایا، ایک طرح کے لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں، لیکن پھر بھی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے آپ کو شادی میں شرکت کی تکلیف نہیں دی، اور نہ آپ کو شکایت ہوئی، جتنا وقت آپ کا اس تقریب میں لگتا اتنی دیر میں کتنے لوگ مسلمان ہوتے اور کتنے لوگ مستفید ہوتے۔

دعوت و تبلیغ کا تسلسل

ایک سوال کے جواب میں فرمایا: تبلیغ و دعوت کا کام ہمیشہ رہا ہے، میں نے اپنی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت میں اسے وضاحت سے بیان کیا ہے کہ جس وقت جو فتنہ تھا اس کے لحاظ سے لوگ سامنے آئے، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں سب سے بڑا فتنہ نفاق تھا، ملازمتوں اور عہدوں کے مواقع پیدا ہورہے تھے اور نفاق کا مرض پھیل رہا تھا، آپ نے پوری توجہ نفاق کو روکنے پر کی، آپ نے فرمایا کہ اگر منافقین بصرہ کی گلیوں سے نکل جائیں تو شہر ویران نظر آئے، اس کے بعد امام ابوالحسن اشعری کا دور آیا، انہوں نے فتنہ اعتزال کے خلاف جہاد کیا، اسی طرح امام غزالی نے باطنیت کا مقابلہ کیا، جس دور میں جو فتنہ رونما ہوا اسی کے لحاظ سے اسلوب دعوت و اصلاح بدلتا رہا۔

اسلام کا امتیاز:

سارے مذاہب میں یہ صرف اسلام کا امتیاز ہے کہ کوئی مختصر سے مختصر

وقفہ دعوت و اصلاح کی کوششوں سے کبھی خالی نہیں رہا، دعوت ہمیشہ جاری رہی، طریقہ کار بدلتا رہا، اسلام کے آخری دین ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ کسی وقت خلا نہیں رہا، ہندو مذہب اور عیسائیت دونوں اصلی حالت پر نہیں آسکتے، موجودہ عیسائیت کسی معنی میں بھی عیسی علیہ السلام کا دین نہیں، یہ صرف اسلام ہے جو آج بھی اسی طرح باقی ہے جیسا کہ روز اول تھا، اور اسی طرح ہمیشہ اس کے حاملین انحراف وتبدیلی سے اسے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔

دینی کام کے مختلف میدان

دین کے کام کے مختلف پہلو ہیں، اور ہر سمت میں کام کی ضرورت ہے، جو کام ہو رہا ہو اس کی قدر کرنی چاہیئے، ایک مرتبہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی کام کرنے والوں سے فرمایا کہ مولانا حسین احمد مدنی بخاری شریف نہ پڑھائیں تو کیا تم پڑھاؤ گے، خدا کا شکر ادا کرو کہ انہوں نے تمہیں خالی کر دیا۔

سید صاحب کی تجدید

فرمایا: ایک بار میں مرکز میں تھا، شام کی چائے چل رہی تھی، مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا مولوی ابوالحسن کہاں ہیں؟ پھر مولانا الیاسؒ بذات خود چائے کی پیالی لے آئے اور فرمایا کہ حضرت ابھی تک ہم سید صاحب (سید احمد شہید) کے تجدید کے سایہ میں ہیں۔

دین کے سارے کاموں کی قدر

حضرت مولانا نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ دین کے دوسرے کاموں کی قدر کرتے تھے، مولانا تھانوی اور مولانا مدنی کی

قدر فرماتے تھے، اور بلند الفاظ سے ان کی تعریف کرتے تھے یہ اس بات کا اظہار ہے کہ دین کا جو کام بھی ہو رہا ہو اس کی قدر کرنی چاہئے۔

آبادی سے متعلق مصر کی کانفرنس

چونکہ تحدید آبادی سے متعلق اقوام متحدہ کی کانفرنس جلد ہی مصر میں منعقد ہونے والی تھی اس لئے اس کے متعلق گفتگو شروع ہوئی، فرمایا کہ اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہودی اور عیسائی دونوں مل گئے ہیں، اسرائیل اور مغرب دونوں نے اتحاد کرلیا ہے، اور مصر کو خاص طور سے نشانہ بنایا جارہا ہے، کیونکہ مصر کے اندر ہی عالم عرب کی قیادت کی صلاحیت ہے۔

مسئلہ فلسطین

دوسرے روز ادب اسلامی کا سیمینار تھا، اس لئے عرب علماء و ادباء حضرت مولانا سے ملنے تشریف لائے، ان میں استاد عبد القدوس ابوصالح، استاد عبد الباسط بدر، اور ڈاکٹر بسام ساعی تھے، ان حضرات کی آمد پر عالم عرب کے مسائل سامنے آئے، فلسطین کا مسئلہ زیر گفتگو آیا، فرمایا کہ میں نے رابطہ کے ایک اجلاس میں تقریر کی جس میں یاسر عرفات بھی موجود تھے، میں نے زور دیا کہ اس وقت صلاح الدین ایوبی جیسی شخصیت کی ضرورت ہے۔

مرحوم امین حسینی

فرمایا: مرحوم امین حسینی کو مسئلہ کی اہمیت کا صحیح احساس تھا، اس پر استاد عبد القدوس ابوصالح نے ذکر کیا کہ امین حسینی کی وفات سے دو ہفتے پہلے ہم نے ان سے ملاقات کی، ہمارے ساتھ شیخ عبد الفتاح ابوغدہ بھی تھے، اس موقع پر

آپ نے ایسی گفتگو فرمائی جیسے ہم سے جدا ہو رہے ہیں، آپ نے آخری بات یہ فرمائی "یا اخوانی مهما اتسعت اسرائیل ایا کم والصلح معها، اسرائیل وإن كانت متفوقة علينا لا يمكن ان تغلب علينا، والنصيحة الثانية : اتركوا هذه الشعارات المضللة، لا يحرر فلسطين الا بالجهاد الإسلامی" کہ اسرائیل سے صلح ہرگز نہ کرنا، خواہ اسرائیل کتنا ہی پھیل جائے، اسرائیل کو اگر چہ ہم پر تفوق حاصل ہے، لیکن وہ ہم پر غالب نہیں آسکتا، اور دوسری نصیحت یہ ہے کہ ان گمراہ کن نعروں سے بچو، فلسطین صرف جہاد کے ذریعہ آزاد ہوسکتا ہے۔

خطرناک یہودی منصوبہ

یہودیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ادب وصحافت کی راہ سے انسانیت کو تباہ کرنے کے لئے یہودیوں کے پاس بہت ہی خطرناک منصوبہ ہے تاکہ ساری انسانیت ان کے تابع ہو جائے۔

مجلس چہارم

(۲۹ راگست بروز دوشنبہ بعد نماز عصر)

آج ادب اسلامی کا سیمینار تھا اس لئے دن کا بیشتر حصہ اسی مصروفیت میں گزرا، اتنی طویل مشغولیت کی وجہ سے مولانا پر تکان کا کافی اثر تھا، عصر کی نماز کے بعد مختصر نشست رہی۔

قادیانیت

قادیانیت کے متعلق گفتگو چل پڑی، فرمایا کہ مرزا غلام احمد قادیانی

برطانوی استعمار کے لئے کام کرتے تھے، مہدویت اور نبوت کے سارے دعوے اسی خدمت سے وابستہ تھے، خود کہتے تھے: میں برطانوی حکومت کا ساختہ پرداختہ ہوں۔

تردید کا اسلوب

فرمایا: تردید کا اسلوب بہت ہی سنجیدہ اور علمی ہونا چاہئے، جب مصنف تردید میں اپنے غصہ کا پورا اظہار کر دیتا ہے تو پڑھنے والے کو اس کے برعکس ہمدردی ہو جاتی ہے، میں نے قادیانیت کا مطالعہ نہیں کیا تھا، صرف الیاس برنی کی کتاب دیکھی تھی، میں لاہور گیا، اس وقت حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے قادیانیت کے خلاف لکھنے کا حکم دیا، میں نے اس کے لئے اولاً قادیانیت کی کتابوں کا باقاعدہ مطالعہ کیا اور سنجیدہ علمی اسلوب میں ایک کتاب تیار کی جو مؤثر ثابت ہوئی، جو حضرات مناظرہ کے میدان میں سرگرم تھے ان کو بھی حیرت ہوئی۔

مجلس پنجم

(۳۰ / اگست بروز سہ شنبہ ناشتہ کے بعد)

نزہۃ الخواطر کی اشاعت:

فرمایا: مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے نزہۃ الخواطر کی اشاعت کے سلسلہ میں مجھے دہلی آنے کی دعوت دی، جب میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ کیا سفر میں آپ کے ساتھ کوئی نہیں تھا، میں نے عرض کیا: نہیں، تو فرمایا: کیا خدا ساتھ نہیں تھا؟ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ابوالکلام آزاد سے دائرۃ المعارف حیدر آباد سے کتاب کی طباعت کرانے کے لئے سفارش کی، وہ اس وقت وزیر

تعلیم تھے اور دائرۃ المعارف ایک طرح سے وزارت تعلیم کے زیر اثر تھا، کتاب آٹھ ضخیم جلدوں میں اور عربی میں ہونے کے سبب دائرۃ المعارف جیسا کوئی بڑا اشاعتی ادارہ ہی شائع کرسکتا تھا۔ مولانا آزاد نے کتاب کی اہمیت اور جامعیت پر فرمایا: بھائی اسے ضرور چھپنا چاہئے، تین بار یہی فرمایا۔

خاندان ولی اللہ کا منہج دعوت واصلاح

شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کا بھی دستور تھا کہ سلفیت یا مذاہب کی غیر ضروری تردید میں پڑنے کے بجائے انہوں نے اخلاق فاسدہ ورسوم کے خلاف مہم چلائی، مولانا کرامت علی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کا کام کیا ان کے ذریعہ جن لوگوں کو ہدایت ہوئی ان کی تعداد دو کروڑ سے کم نہیں۔

مجلس ششم

(۳۰ راگست بروز سہ شنبہ بعد ناشتہ)

المدخل إلی دراسات الحدیث النبوی الشریف:

فرمایا: ہم تاکید کرکے آئے ہیں کہ اس کتاب کو ہر مسلک کے علماء کے پاس بھیجنا چاہئے۔

امام نووی کی شرح مسلم:

ہر طالب علم کو چاہئے کہ امام نووی کی شرح سے ضرور استفادہ کرے۔

المعجم الوسیط:

فرمایا: المعجم الوسیط عربی کی بہت اچھی ڈکشنری ہے، المنجد کی

غلطیوں سے محفوظ ہے، اس میں اسلامیت بھی ہے، قاہرہ کی مجمع اللغة العربية کی نگرانی میں شائع ہوئی ہے۔

شیخ عبداللہ ابراہیم انصاری:

قطر کے مشہور مقبول عالم دین شیخ عبداللہ بن ابراہیم انصاری کے بارے میں فرمایا: بہت مخلص آدمی تھے، انہوں نے ہماری "السيرة النبوية" شائع کی، اور سیرت کانفرنس میں شریک تمام مہمانوں کو ہدیہ کی۔

قادیانیت:

فرمایا: قادیانیوں کی بیخ کنی کی ضرورت ہے، ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہونی چاہئے، قادیانیت کے موضوع پر میری کتاب "القاديانية" کو بلاد عربیہ میں پسند کیا گیا، الجامعة الإسلامية بالمدينةالمنورة نے اس کے کئی ایڈیشن شائع کئے۔

کیپ ٹاؤن میں ندوہ کی شاخ:

فرمایا: یہ مولوی علی آدم صاحب افریقی ندوی کیپ ٹاؤن میں ندوہ کی شاخ قائم کر رہے ہیں، ساؤتھ افریقہ میں ندوہ کی شاخ، ندوہ کے بانیوں کے تصور میں نہیں رہا ہوگا۔

حضرت شیخ الحدیث کی شفقت

فرمایا: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی مجھ پر بڑی شفقت تھی، ایک بار فرمایا کہ مولوی یوسف کے بعد سب سے زیادہ مناسبت تم سے ہے، جب

تک مدینہ میں رہتا ہوں تمہارا سلام کہتا ہوں، اور جب مکہ مکرمہ میں ہوتا ہوں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں، حدیث کے موضوع پر اپنی ہر تصنیف پر مقدمہ مجھ سے لکھوایا، حجۃ الوداع پر میرا مقدمہ خاص اہمیت کا اور تفصیلی ہے کتاب بیروت سے بھی شائع ہوئی ہے۔

حضرت شیخ کا مدینہ سے عشق:

حضرت شیخ کے سلسلہ میں فرمایا: مدینہ منورہ سے آپ کو بہت عشق تھا، ایک بار مدینہ منورہ روانگی کے وقت فرمایا: اس شکرانہ میں کہ مدینہ کا سفر ہورہا ہے تین مہینوں کے روزہ کی نیت کی تھی، حضرت شیخ مسجد نبوی میں ہمیشہ اقدام عالیہ کے پاس بیٹھتے تھے۔

مولانا یعقوب مجددی کے ملفوظات:

بھوپال کے شیخ و مرشد مولانا شاہ یعقوب مجددی صاحب جن سے اپنی ملاقاتوں کے موقع پر سنی ہوئی ان کی باتوں کو حضرت مولانا نے مرتب اور شائع فرمایا ہے۔ ان کے ملفوظات کے سلسلہ میں فرمایا کہ ان کے ملفوظات پڑھنے کو دل چاہتا ہے، مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے، ان ملفوظات کو پڑھ کر مولانا عبدالماجد دریابادی بہت متأثر ہوئے، اس کے بعد مولانا یعقوب صاحب سے ملنے بھی تشریف لے گئے، ان کے وصال کے واقعہ سے مقبولیت ظاہر ہوتی ہے، سلوک و تربیت میں مجتہدانہ طرز تھا، مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی ان کے والد صاحب کے مرید تھے۔

شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کے مکتوبات:

فرمایا: شیخ شرف الدین منیری کے مکتوبات بہت بلند ہیں، معارف و

حقائق کے لحاظ سے اس کی نظیر کم ہوگی، پٹنہ میں پیام انسانیت کا جلسہ ہوا، جس میں وزراء وافسران بڑی تعداد میں تھے، ہم نے کہا کہ ہم یہیں کے ایک بزرگ کے حوالہ سے ایک واقعہ سناتے ہیں، شیخ منیری نے لکھا ہے کہ کسی رئیس کا ایک باغ تھا، اس نے انتقال کے وقت اپنے بیٹے سے کہا کہ تم اس باغ میں جو چاہے کر سکتے ہو، اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکتے ہو، مگر اس درخت کو ہاتھ نہ لگانا، بعد میں خزاں کا دور آیا، بظاہر اس درخت کی کوئی افادیت نہ تھی، اس نے وہ درخت کاٹ دیا، اسے کاٹتے ہی ایک سانپ نکلا اور اس نے اس رئیس زادے کو ڈس لیا، اسی طرح ہندوستان میں سیکولرزم، ڈیموکریسی اور نان وائیلنس تین درخت تھے، ان میں سے ہر ایک کے کاٹنے سے ایک ایک سانپ نکل آیا ہے۔

اللہ غنی ہے:

شیخ شرف الدین منیری نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت غنی ہے، اگر چاہے تو صدیق کی آنکھ کوے کو کھلا دے، فرمایا: بہت طاقتور مکتوبات ہیں، ایک انگریز نے ان مکتوبات کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، یہاں والوں کو ان پر کام کرنے کی توفیق نہیں ہوئی، ان کے شایان شان سوانح نہیں لکھی گئی۔

شیراز ہند:

میرا تعلق جونپور سے ہے اس کی مناسبت سے جونپور کا ذکر نکل آیا، فرمایا: جونپور شیراز ہند ہے، جونپور سے ہمارا بڑا تعلق رہا ہے. سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء مولانا سخاوت علی اور مولانا کرامت علی کا تعلق اسی سرزمین سے تھا، مولانا سخاوت علی کے بیٹے مولانا مکی ہمارے نانا کے مرید تھے، مولانا ابوبکر شیث

جونپوری بھی عزیزانہ تعلق رکھتے تھے، مولانا ابوبکر کے خاندان کا یہ دستور تھا کہ ہر لڑکا ندوہ پڑھنے جائے، بہت سے ندوی اس خاندان میں پیدا ہوئے۔

مولانا سید امین صاحب:

مولانا کے قدیمی وطن نصیر آباد کے مولانا سید امین صاحب جو مولانا کے خاندان ہی کے ایک فرد تھے، ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے بہت کام کیا، ہزاروں ہزار لوگوں کے عقیدے صحیح ہوئے، وہ کسی سے ڈرتے نہیں تھے، عدالتوں میں بھی بے خطر جا کر نہی عن المنکر کرتے، اگر کسی کے یہاں سودی کاروبار ہوتا فوراً گھر چھوڑ دیتے تھے، اور جب تک اس گھر کے لوگ توبہ نہ کر لیتے اس گھر میں کھانا نہیں کھاتے تھے۔

مغرب کا رعب:

فرمایا: ہم نو دس برس کے تھے جب ہمارے خالہ زاد بھائی یہاں لندن پڑھنے آئے، وہ کہ رابع کے چچا تھے، اور صاحب کہلاتے تھے، پھر ہمارے ایک ماموں زاد بھائی امریکہ گئے، اس وقت ہم دس بارہ سال کے تھے، اس وقت خیال بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ہم بھی جائیں گے، یہاں آنا ایک اعزاز سمجھا جاتا تھا، الحمد اللہ انہوں نے اپنے عقائد محفوظ رکھے، لوگ یہاں سے جاتے تھے عقائد میں فرق آجاتا تھا، یہاں کی تعلیم کے متعلق اکبر نے کتنی زبردست بات کہی ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

یا یہ شعر:

مشرقی تو سر دشمن کو کچل دیتے ہیں
مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

یہاں کی چیزوں کو لوگ ولایت کی چیز کہتے تھے۔

امریکہ کے لئے بددعا:

فرمایا: اللہ تعالیٰ امریکہ کا انتظام کرے، قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ یہ آیت بڑی جامع ہے، اس میں سب کچھ آگیا، سارے یورپ میں برطانیہ کو جو برتری حاصل تھی وہ کسی کو نصیب نہیں تھی، لیکن ایسا زوال آیا کہ یہاں کے بازاروں سے گزرتے کوئی مرعوبیت نہیں ہوتی۔

ایک لطیفہ:

رشید احمد صدیقی نے ایک لطیفہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میں سیکنڈ کلاس میں سوار تھا، اس زمانہ میں ہندوستانی لوگ صرف تھرڈ کلاس میں سوار ہوا کرتے تھے، ایک انگریز آیا، مجھے دیکھکر بہت ناراض ہوا، کہنے لگا کہ یہ تھرڈ کلاس نہیں ہے، میں نے اس سے پوچھا کہاں جارہے ہو، اس نے کہا کہ دوزخ میں، میں نے کہا کہ میں بھی وہیں جارہا ہوں، لیکن میرے پاس واپسی کا بھی ٹکٹ ہے۔(۱)

یہودیوں اور عیسائیوں کا اتفاق:

فرمایا: اس وقت کا اصل قصہ یہ ہے کہ یہودیوں کی ذہانت اور عیسائیوں کی طاقت دونوں اسلام کے خلاف مل گئے ہیں، دونوں نے سازباز کرلیا ہے۔

مصر:

مصر ان کا خاص نشانہ ہے، تا تاریوں کو مصر نے پہلی بار شکست دی، صلیبیوں کو بھی مصر ہی سے شکست ہوئی، حسن البنا شہید رحمۃ اللہ علیہ کو آخر میں احساس ہو گیا تھا کہ ہم نے سیاست میں قبل از وقت حصہ لے لیا، مصر کا مزاج دینی اور اتحاد ملت کا رہا ہے، یہیں سے جمال الدین افغانی وغیرہ نے کام کیا۔

الجزائر:

فرمایا: جب میرا الجزائر جانا ہوا تو وہاں دل لگا، دین داری محسوس ہوئی، آزادی کے لئے سب سے بڑی قربانی الجزائر نے دی ہے، عبدالحمید بن بادیس وہاں کے بہت بڑے قائد تھے۔

مجلس ہفتم

(۳۰؍ اگست بروز سہ شنبہ بعد نماز عصر)

پاکستان اور علماء کی ذمہ داری:

فرمایا: پاکستان میں معاشرہ کی اصلاح کا کام نہیں ہوا، علماء کی ذمہ داری تھی کہ پہلے معاشرہ کی اصلاح کا کام کرتے، لیکن انہوں نے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا، ضیاء الحق مرحوم نے کام کرنے کی کوشش کی مگر ان کی موجودگی سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا، قدم قدم پر مخالفت کی گئی، اگر ضیاء الحق مرحوم کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے تو پاکستان میں بہت کچھ تبدیلی آ گئی ہوتی، اب عورت کی حکمرانی مسلط کر دی گئی ہے جو اس ناشکری کی ایک سزا ہے، اس کے برخلاف

ہندوستان میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں نے احتیاط اور سمجھ داری سے کام کیا تو انہیں کامیابی ہوئی، پاکستان میں علماء مدرسے بنا رہے ہیں، رسالے نکال رہے ہیں، مگر معاشرہ کی اصلاح کے لئے کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ:

فرمایا: جیسے دریا کی ہر موج آپس میں ملی ہوتی ہے اسی طرح شاہ صاحب کے جائزہ میں پورے عالم اسلام کا جائزہ ضروری ہے، میں نے تاریخ دعوت وعزیمت کی پانچویں جلد میں حجۃ اللہ البالغۃ اور ازالۃ الخفاء کا خلاصہ کر دیا ہے، اس پر پروفیسر نظامی صاحب نے فرمایا کہ پاکستان میں شاہ ولی اللہ یونیورسٹی قائم ہو رہی ہے، میں نے ان کے پاس لکھا ہے کہ نصاب میں شاہ ولی اللہ صاحب پر حضرت مولانا کی کتاب رکھیں، میں نے یہ کتاب دس بار پڑھی ہے، حضرت مولانا نے فرمایا: ابن تیمیہ کے بعد شاہ صاحب کی طرح کوئی نظر نہیں آتا، مزید برآں شاہ صاحب نے ہندوستان کے حالات نظر انداز نہیں کیے۔

سید احمد شہید کی عظمت ہندو شاہی خاندانوں میں:

فرمایا: سید صاحب گوالیار تشریف لائے تو آپ نے راجہ گوالیار کے محل میں اذان وجماعت کے ساتھ نماز ادا کی، پہلی بار مہاراجہ گوالیار کے محل میں اذان اور نماز ہوئی، اس نے بڑا اکرام کیا، اس نے آپ سے درخواست کی کہ توجہ کیجئے، آپ نے فرمایا: توجہ ایمان کے بعد ہوتی ہے، اس نے بڑا اصرار کیا تو آپ نے توجہ دی، مہاراجہ سندھیا کے قائم مقام سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے میری بڑی عزت کی اور وہاں کی رانی ایک بار رائے بریلی آئیں تو سید صاحب کا مکان

دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، اور وہاں سے مٹی لی۔

برٹش میوزیم میں سید صاحب کے خطوط:

فرمایا: برٹش میوزیم میں سید صاحب کے خطوط محفوظ ہیں، یہ مکاتیب بہت خوش خط ہیں۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی:

ڈاکٹر یوسف القرضاوی بھی آکسفورڈ سنٹر کی مجلس انتظامی کے رکن ہیں، وہ بھی اس کی سالانہ میٹنگ میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے، اس وقت حضرت مولانا سے ملاقات کے لئے تشریف لائے اور بڑی مفید گفتگو فرمائی۔

حجاب پر پابندی:

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے یہ واقعہ سنایا کہ مصر کے وزیر تعلیم نے فرمان جاری کیا کہ باپردہ طالبات کا داخلہ تعلیمی اداروں میں ممنوع ہے، اس پر ازہر نے فتوی جاری کیا کہ طالبات پر حکومت کی یہ پابندی ناجائز ہے اور شریعت کے مخالف ہے، بالآخر وزیر تعلیم کو اپنا فرمان واپس لینا پڑا، اور معذرت کرنی پڑی۔

بذل المجہود کا مقدمہ:

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے کہا کہ میں نے بذل المجہود پر آپ کا مقدمہ پڑھا جو بہت مفید ہے۔

فقہی مذاہب کے خاتمہ کی کوشش:

ڈاکٹر قرضاوی نے فرمایا کہ جو لوگ فقہی مذاہب کے خاتمہ کی کوشش

کرر ہے ہیں وہ ایک نیا مذہب قائم کرر ہے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو چھوڑ کر لوگ البانی کی تقلید کرر ہے ہیں، اس سلسلہ میں حسن البنا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ ہر وہ مسلمان جو احکام و مسائل کے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اسے چاہئے کہ مسلمانوں کے مذاہب میں سے کسی کی تقلید کرے، ڈاکٹر قرضاوی نے مزید فرمایا کہ جب مسلمانوں کی بڑی تعداد کا تعلق غیر عرب سے ہے تو کیسے ان کو مسائل کے سمجھنے اور اجتہاد کا مکلّف بنایا جائے، کچھ مسائل ایسے ہیں کہ جن میں علماء کا اختلاف باقی رہے گا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ اگر علماء نے اجتہاد نہ کیا ہوتا تو لوگوں کو رومی قوانین کا سہارا لینا پڑتا، یہ ائمہ کرام آپس میں ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے اور ایک دوسرے کے فضل کے معترف تھے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دعا کرتے تھے، ڈاکٹر قرضاوی نے فرمایا کہ بہت بڑے دماغوں نے اس علم کی خدمت کی ہے تب کہیں اس میں استحکام آیا، سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک حدیث کی تلاش میں متعدد دنوں اور راتوں کا سفر کرتا تھا۔

مصر میں اخوان کی کامیابی:

ڈاکٹر قرضاوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مصر میں اخوان تمام یونینوں پر قابض ہیں، وکلاء، اطباء، یونیورسٹیوں اور اساتذہ کی یونینوں پر انہیں کا قبضہ ہے، اس چیز نے حکومت کو پریشان کر دیا ہے۔

تیونس:

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے فرمایا کہ تیونس میں حجاب جرم ہے، پردہ

میں رہ کر عورت ملازمت نہیں کرسکتی، کوئی بیمار عورت پردہ میں رہ کر علاج نہیں کرواسکتی، اس سے بڑھ کر یہ کہ نماز کو بھی انتہا پسندی کی دلیل سمجھتے ہیں، خاص طور سے فجر کی نماز، فجر کی نماز کے بعد نوجوانوں کی گھات میں لگے رہتے ہیں، لوگوں نے گھروں میں نماز پڑھنا شروع کردیا تو گھروں کی خبر گیری شروع کردی، ان لوگوں نے تعلیم اور ابلاغ سے جہاد اور امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا تذکرہ بالکل ختم کردیا ہے۔

باپردہ طالبات کی کامیابی:

ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے بتایا کہ مصر میں ہائی اسکولوں کا جو نتیجہ آیا ہے اس کی رو سے دس اول آنے والی طالبات میں سے آٹھ باپردہ طالبات ہیں۔

مجلس ہشتم

(۳۱ راگست بروز چہار شنبہ ناشتہ کے وقت)

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ قرآن:

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن کے متعلق گفتگو شروع ہوئی، فرمایا کہ شاہ صاحب ترجمہ میں اصل مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جتنی کامیابی اس میں ان کو ہوئی کسی اور کو نہیں ہوئی، مثلاً انہوں نے "ان ھـؤلاء متبر ماھم فیه" کا ترجمہ کیا ہے "ارے یہ تو جھاڑ و پھر جانے والی قوم ہے" "قالوا : بعزة فرعون" کا ترجمہ کیا ہے "فرعون کے اقبال سے ہمیں غالب آئیں گے" ڈپٹی نذیر صاحب نے اس آیت کا ترجمہ شاہ صاحب سے لیا، سنا ہے کہ شاہ صاحب ترجمہ کرتے وقت بازار جاکر دیکھتے کہ دلی والے کیا بولتے ہیں،

"یمشون فی الارض ہونا' ہونا کا ترجمہ "دبے پاؤں" کیا ہے، ہماری دادی صاحبہ کو شاہ عبدالقادر صاحب کی صاحبزادی نے ترجمہ کی سند دی، بچپن میں ہمارے یہاں تاکید کرتے کہ شاہ صاحب کے ترجمہ کا مطالعہ کرو، شاہ صاحب کا ترجمہ پہلے کلکتہ کے ایک ناشر نے چھاپا جن کا تعلق سید صاحب سے تھا۔

مجلس نہم

(۳۱/اگست بروز چہار شنبہ بعد ناشتہ)

سید صاحب کی دوبارہ دلی آمد:

فرمایا: مہر صاحب نے لکھا ہے کہ سید صاحب جب دوبارہ دہلی آئے، اس پر ہمیں خیال آیا کہ ہمارے یہاں ایک ہبہ نامہ ہے، سید قطب الہدی صاحب کی کتابوں کا ہبہ، اس میں انہوں نے سب سے دستخط کروائے، اس میں سید صاحب سے بھی دستخط کروائے، اور یہ وہی تاریخ ہے جس میں مہر صاحب نے تذکرہ کیا ہے کہ وہ دوبارہ دہلی آئے۔

کتاب خیر المسالک:

فرمایا: مولوی محمد ظاہر صاحب کی کتاب ہے خیر المسالک، جسے اباجی نے شائع کیا، والد صاحب نے اس پر مقدمہ لکھا ہے، یہ سید صاحب کے سلوک کا تذکرہ ہے، یہ کتاب سو صفحے کے اندر ہے، اسے دوبارہ پڑھنا چاہئے، اباجی مرحوم کو سید صاحب سے بڑی عقیدت تھی، اول اول سید صاحب کا نام انہیں کے یہاں سنا تھا، مولانا اپنے والد کے پھوپھی زاد بھائی سید خلیل الدین احمد کو اباجی کہتے ہیں۔(۱)

---

(۱) یہ مولانا کے والد سے عمر میں بڑے تھے، دونوں بھائیوں میں محبت اور اچھا تعلق تھا، محمد رابع و محمد واضح کے دادا تھے۔ اکرم

مولانا تھانوی:

مولانا تھانوی لکھنؤ تشریف لائے، بھائی صاحب پابندی سے مجلس میں جاتے تھے، ہم بھی جاتے تھے، مجلس میں مولانا عبدالغنی پھولپوری، اور شاہ وصی اللہ صاحب وغیرہ بھی ہوتے تھے، ایک بار مولانا تھانوی الہ آباد سے لکھنؤ آرہے تھے راستہ میں رائے بریلی اسٹیشن پر اتر کر ٹہل رہے تھے، فرمایا کہ تکیہ کے (۱) انوار یہاں تک محسوس ہورہے ہیں۔

سفر سے پریشانی:

فرمایا: اب سفر نہیں کرنا ہے، اس پر عثمان بھائی نے کہا کہ ایک بار آسٹریلیا کا سفر کرنا ہے، فرمایا کیوں؟ عثمان بھائی نے عرض کیا کہ وہاں مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، فرمایا تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ وہاں مدفونین کی تعداد بھی بڑھ جائے۔

مجلس دہم

(۳۱/اگست بروز چہارشنبہ بعد نماز عصر)

دعوت کے اسلوب میں تبدیلی:

تاریخ میں اس بات کا لحاظ ملتا ہے کہ دعوت واصلاح کا کام حالات کے مطابق کیا جائے، ہم نے اپنی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت میں اس کی تشریح کی ہے، حضرت حسن بصری نے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق کام کیا،

---

(۱) شاہ علم اللہؒ اور سید احمد شہیدؒ کا گاؤں جو اسٹیشن سے دو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اکرم

انہوں نفاق کی بیماری کے علاج کی کوشش کی، ان کا کہنا تھا کہ اگر منافقین بصرہ سے نکل جائیں تو سناٹا ہو جائے، پھر دور آیا ابوالحسن اشعری کا، انہوں نے اعتزال کے مقابلہ پر پوری توجہ مرکوز کی، اور پوری طاقت اس پر صرف کی، اس کے بعد امام غزالی کا دور آیا، انہوں نے فلسفہ اور باطنیت کا مقابلہ کیا، پھر مال کی محبت اور معاشرہ کی دوسری خرابیوں کو دور کرنے کے لئے احیاء العلوم لکھی، اب بھی یہی حال ہے، سخت نفس پرستی اور مادیت کا غلبہ ہے، اور ہر طرف ذہنی گمراہی ہے، یہ خیال عام ہے کہ اسلام کے تفصیلی احکام اس وقت کے لئے مناسب تھے، اب آدمی نماز پڑھ لے یہی کافی ہے، تہذیب وتمدن سے اسلام کو کیا تعلق؟ غرض کوئی فتنہ نہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی آدمی نہ پیدا کیا ہو، جب دولت پرستی عام ہوئی تو شیخ عبدالقادر جیلانی اور ابن الجوزی کے مواعظ کا سلسلہ شروع ہوا، جو اس قدر مؤثر تھے کہ ان سے جنازے نکلے، اور سیکڑوں لوگوں نے توبہ کی۔

مسلمانوں کی آبادی کا اضافہ:

فرمایا: ہندو مسلمانوں کی آبادی کے اضافہ سے خائف ہیں، اس پر پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ مولانا آزاد کے سامنے کسی ہندو لیڈر نے یہ شکایت کی کہ مسلمانوں کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے، اس پر مولانا آزاد نے فرمایا کہ میرے بھائی اس سلسلہ میں مسلمان آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟

تصوف اور کتاب وسنت:

پروفیسر نظامی صاحب نے فرمایا کہ شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی نے کہا

ہے کہ ''مشرب پیر حجت نمی شود، دلیل از کتاب وسنت می باید'' یعنی پیر کا مسلک حجت نہیں ہوتا، دلیل کتب اور سنت سے ہونی چاہئے'' اس پر مولانا نے فرمایا: یہ بات بہت اونچی ہے، یہ تو حضرت مجدد صاحب یا شاہ ولی اللہ صاحب کہہ سکتے تھے، اس ماحول میں یہ بات بہت زبردست تھی، میں نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تقریر کی، اس میں میں نے کہا کہ عبدالکبیر یمنی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں'' اس پر مجدد صاحب نے لکھا: مخدوما ایں فقیر تاب استماع ایں چنیں کلمات ندارد، بے اختیار رگ فاروقیم درحرکت می آید، شیخ عبدالکبیر یمنی باشد کہ محی الدین ابن عربی، مارا محمد عربی درکار است نہ ابن عربی فتوحات مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ، مارا بنص کار است نہ بفص'' شیخ ابن باز نے میری تقریر جامعہ اسلامیہ میں رکھی، میں نے کہا کہ اگر کوئی اپنے گھر کا حال بتائے اس کو روکئے نہیں، میں اپنے گھر کا حال بتانے جارہا ہوں، اس کے بعد بتایا کہ ہندوستان میں اسلام کس طرح آیا، یہاں کون لوگ آئے، وہ لوگ آئے جو اہل قلوب تھے، لوگ انہیں دیکھ کر مسلمان ہوئے۔

مغربی تہذیب کا ادبار:

فرمایا: ہمیں صاف نظر آرہا ہے کہ یہ تہذیب جارہی ہے، کاش کہ کوئی اس خلا کو پر کرسکتا، ہمارا ایک رسالہ ہے ''العاقبة اللعرب والمسلمین'' اسے بعض لوگوں نے ''العاقبة للمتقین'' کے نام سے چھپوایا ہے، اب صاف صاف اسلامی ممالک کو جھنجھوڑنا ہے:

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دین کی احتساب کائنات

عربی پڑھنے والوں کی ذمہ داری:

فرمایا: عربی پڑھنے والے علماء کا یہی فرض ہے کہ عرب وعجم تک کھل کر پیغام پہنچائیں، انہوں نے تعلیم اس لئے نہیں حاصل کی ہے کہ عربی کو ذریعہ معاش بنائیں۔

ندوہ کے نصاب کی خصوصیات:

فرمایا: الحمد اللہ ہمارے یہاں دار العلوم میں عربی اس معیار سے پڑھائی جاتی ہے کہ عربوں کو مخاطب کرسکیں، ندوہ کا یہ امتیاز شروع سے ہے، صدیاں گزر گئیں، مگر اس طرح کی عبارت نہیں لکھی گئی جو سجع سے پاک ہو، صرف دو کتابیں مستثنی ہیں، ایک مقدمہ ابن خلدون، دوسری حجۃ اللہ البالغۃ۔

نزہۃ الخواطر :

فرمایا: ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے فرمایا کہ جب ہم مصر گئے تھے تو نزہۃ الخواطر لے کر گئے، یہ اس وقت کی بات ہے جب ہندوستان کے نائب صدر تھے یا صدر، والد صاحب نے تنہا یہ کام کیا، کوئی معاون بھی نہیں تھا، اس کے ساتھ ندوہ کی ذمہ داری، اور پھر ذریعہ معاش طبابت، کسی نے کہا ہے جو کام یورپ میں اکیڈمی کرتی ہے وہ یہاں ایک آدمی کرتا ہے۔

الثقافۃ الإسلامیۃ فی الھند:

الثقافة الإسلامية میں پورا استیعاب ہے کہ ہر فن کی کتابوں کا تذکرہ لکھا ہے، یہ سارے کام انہوں نے مختصر عمر میں کیے ہیں، ان کی کل عمر ۵۳ سال کی تھی۔

گل رعنا:

فرمایا: ہم نو برس کے تھے، والد صاحب نے فرمایا کہ ذرا مولوی عبدالغفور شرر کو بلالو، وہ سکریٹری تھے، ان کو بلانے کوئی گیا، ہم اس وقت رور ہے تھے، والد صاحب نے مولوی عبدالغفور کے حوالہ گل رعنا کی، مجھ سے کہا کہ روؤ نہیں، اس میں تمہارا نام چھپے گا، ان کی یہ پیشن گوئی صحیح ہوئی، ان کی یہ عادت نہیں تھی کہ اپنے کام کا تذکرہ کریں، اس کے بعد حضرت مولانا نے جامع مجالس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ یہ بھی یادگار ہے، تم لوگ قدر کرو، اب کہاں ہم لوگ آتے ہیں۔ (مولانا کی مراد یہ تھی کہ پروفیسر صاحب اور مولانا کی علمی اور تاریخی مجلس ایسے غیر ملک میں کم ہونے والا موقع ہے)

ندوہ کی نظامت :

فرمایا: والد صاحب کا انتخاب ندوہ کی نظامت کے لئے جس وقت ہوا اس وقت اختلافات تھے، اس پر پروفیسر نظامی صاحب نے فرمایا کہ مولانا آزاد نے ''الندوۃ'' میں مولانا عبدالحیؒ صاحب کی بڑی تعریف کی ہے۔

مولانا آزاد:

فرمایا: مولانا آزاد بھی آیۃ من آیات اللہ تھے۔

مولانا گیلانی:

فرمایا: نزہۃ الخواطر کی اشاعت کے اصل محرک مولانا مناظر احسن گیلانی تھے، مولانا مناظر احسن صاحب نے ''ہندوستان کا نظام تعلیم وتربیت'' لکھتے وقت

اس کا مطالعہ کیا تھا، اس کے بعد میرے پاس خط میں لکھا کہ اللہ کے اس بندے نے سمندر پی لیا اور ڈکار نہیں لی، اس کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ ہونا چاہئے۔

حدیث کی سند:

فرمایا : مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے بھی ہم کو حدیث کی سند دی، اور فرمایا کہ حرم شریف سے چند گز کے فاصلہ پر بعض عرب فضلاء نے ہمیں حدیث کے اوائل سنائے اور سند لی۔

حضرت مولانا نے اپنے حدیث کے شیخ مولانا حیدر حسن خان ٹونکی شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: مولانا حیدر حسن خان بڑے قائم اللیل تھے، حضرت امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ تھے، حاجی صاحب کی زندگی میں حج کے لئے گئے تھے، اس وقت حاجی صاحب نے ان کو اجازت دی تھی، مولانا حیدر حسین خاں صاحب نے ہم کو حدیث کی سند دی اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی، حاجی صاحب کی نماز تہجد ہم نے دیکھی ہے۔ تہجد میں دیکھا کہ اس قدر گریہ طاری ہوتا تھا کہ دیر تک سجدے میں روتے رہتے۔

مجلس یازدہم

(پہلی ستمبر بروز جمعرات، ناشتہ کے وقت)

فساد کی جڑ:

مصر کی عام دینی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا، علماء نے عوام پر کام کیا۔ ان پر کام نہیں کیا، سارا فساد اسی سے آیا۔

علماء کی غفلت:

پاکستان و ہندوستان میں علماء کی بڑی ذمہ داریاں ہیں، مگر افسوس یہ ہے کہ گروہ بندیاں ہیں کہ اس بزرگ کی شاخ اور اس بزرگ کی شاخ، اور یہ فلاں بزرگ کے خلیفہ ہیں، اور وہ فلاں بزرگ کے۔

عورت کی حکمرانی:

فرمایا: حدیث شریف میں ہے "ما أفلح قوم ولوا امرهم امرأة" کتنی شرمندگی کی بات ہے تین بڑی آبادی والے ملک جن کی ایک تاریخ ہے، یعنی ترکی، بنگلا دیش اور پاکستان، تینوں جگہوں پر عورت کی حکومت ہے۔

ہندو قوم کی احسان ناشناسی:

ہندوؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے نہایت احسان ناشناسی کا ثبوت دیا، اپنے مخلص لیڈر گاندھی کو قتل کر دیا، گاندھی جی ہی تھے جنھوں نے پوری زندگی اس قوم کی خدمت میں لگا دی۔

مسلم ملکوں کی بے غیرتی:

فرمایا: اس وقت سارے اسلامی ملکوں میں یہ کوشش جاری ہے کہ اسلام کو سب سے بڑے خطرہ کے طور پر پیش کیا جائے، مذہب کا نام لینا ممنوع ہے، بے حیائی اور بے پردگی عام ہے، اسلام دشمن عناصر کو آزادی حاصل ہے، سعودی عرب اور خلیج میں کس قدر غیر مسلم اور ہندو بھرے ہوئے ہیں، خلیج کے ملکوں میں تو اصل آبادی سے غیر ملکوں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے۔ بڑی بے حمیتی کی بات ہے ؏

حمیت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے

جزیرۃ العرب میں غیر مسلموں کی موجودگی:

فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اخرجوا الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب" کسی غیر مسلم عناصر کا اتنی بڑی تعداد میں عرب ممالک میں ہونا صرف جزیرۃ العرب کے لئے نہیں، بلکہ حرمین شریفین کے لئے خطرناک ہے۔

یمن کی فوجوں سے خطاب:

فرمایا: یمن تنہا ملک ہے جس نے ہمیں اپنی فوجوں سے خطاب کرنے کا موقع دیا، بری و بحری دونوں فوجوں سے، ہم نے ان کے سامنے اس آیت کریمہ کی روشنی میں بات کی "فَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ، إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ، وَ تَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَالَا يَرْجُونَ"۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر تم کو تکلیف ہوتی ہے تو ان لوگوں کو (جو تمہارے مقابل ہیں) بھی تکلیف ہوتی ہے لیکن حال یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے (اجر کی) وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔

مجلس دوازدہم

(پہلی ستمبر بروز جمعرات بعد نماز عصر)

روانگی:

ابھی مولانا لندن کے لئے روانہ ہونے والے تھے، دوسرے روز آپ

کو سعودی عرب کے لئے پرواز کرنی تھی، وہاں مکہ مکرمہ میں رابطہ کی طرف سے مصر میں آبادی کے متعلق اقوام متحدہ کی کانفرنس کے خلاف اجلاس میں شرکت کرنی تھی، جس کے لئے مولانا نے اپنی تقریر تیار کر لی تھی، جو بہت ہی مفکرانہ تھی، اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ہم تو جا کر اپنی بات کریں گے، روانگی بالکل قریب تھی، جامع مجالس نے جدائی کے قریب آجانے پر یہ شعر پڑھا:

روان شد محمل جاناں و من حیراں ازان رفتن

نہ بے اومی تواں بودن نہ با اومی تواں رفتن

اس پر پروفیسر نظامی صاحب نے پڑھا:

اے تماشا گاہ عالم روئے تو　　تو کجا بھر تماشا می روی

دیدہ سعدی و دل ہمراہ تست　　تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

مکاتیب

مکاتیب

اردو میں مکتوب نگاری کے آغاز کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس صنف کو ترقی دینے اور عام کرنے کا فخر مرزا غالب کو حاصل ہے، مرزا نے اردو میں غالباً ۱۸۴۸ء سے خطوط لکھنے شروع کئے، غالب کے خطوط کے اندر بہت سی ایسی خوبیاں جمع ہیں جن کی وجہ سے ان کو جو پائیداری اور شہرت حاصل ہوئی ہے وہ مقام اردو خطوط نگاری کی تاریخ میں کسی اور کو حاصل نہ ہوسکا، اس کے بعد بہت سے مشاہیر کے خطوط کے مجموعے شائع ہوئے، اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے، ان میں سرسید، مولانا حالی، علامہ شبلی، مہدی افادی، ڈاکٹر اقبال، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ سید سلیمان ندوی کے خطوط اپنی مختلف اور جداگانہ خصوصیات کے لئے اردو ادب میں خصوصی مقام کے حامل ہیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک متبحر عالم، محقق، مصلح اور صاحب طرز ادیب تھے، آپ کے مکاتیب ان تمام خصوصیتوں اور آپ کی زندگی کے متنوع پہلوؤں کے عکاس ہیں، آپ کے خطوط سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد کو پہنچے ہوئے ہیں، ان کے مختلف مجموعے شائع کرنے کی ضرورت ہے، ان خطوط کی تدوین سے ہماری تاریخ کا ایک بیش قیمت حصہ محفوظ ہوجائے گا۔ کچھ حضرات نے اس کی طرف توجہ بھی شروع کردی ہے اور ایک دو مجموعے شائع بھی ہوئے ہیں۔

مولانا کے جو خطوط یہاں دیئے جارہے ہیں وہ نہ تعداد میں زیادہ ہیں،

اور نہ ہی دقیق علمی وادبی مسائل کی تحقیق سے متعلق ہیں، یہ خطوط برطانیہ سے مولانا کے تعلق کے آئینہ دار ہونے کی وجہ سے یہاں دیئے جارہے ہیں۔

ان خطوط میں بے تکلفی، سادگی، ذات و ماحول کی ترجمانی، جزئیات نگاری اور مزاح وظرافت کے زندہ عناصر کی موجودگی کے علاوہ ایک مصلح کا درد اور ایک مربی کا احساس ذمہ داری وفریضہ شناسی نمایاں طور پر جلوہ گر ہیں۔

اس کی ابتدا مولانا کے ان خطوط سے ہوتی ہے جو سنہ ۱۹۶۳ء میں پہلی لندن آمد کے دوران آپ نے بعض اعزہ کو لکھے، باقی خطوط برطانیہ کی مختلف شخصیات کے نام ہیں، ہر مکتوب الیہ کے نام کے خطوط الگ الگ دیئے گئے ہیں، ساتھ ہی مکتوب الیہم کے مختصر حالات بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ مولانا کے ساتھ ان کے تعلق کی حیثیت واضح ہو، اور خطوط ملاحظہ کرتے وقت وہ حیثیت سامنے رہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لندن

۲؍اکتوبر ۱۹۶۳ء

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ تم سب بخیر و عافیت ہو گے، کل یکم اکتوبر کو صبح ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ہوٹل تشریف لائے، حسن ترابی بھی اپنی کار لے کر آ گئے، ان دونوں حضرات کی معیت میں ایر ٹرمینس آئے، اور وہاں سے ٹھیک گیارہ بجے جہاز روانہ ہوا، سخت کہر تھا، بار بار احتیاطی ہدایات دی جا رہی تھیں، ٹھیک ۴۵ منٹ میں لندن آ گیا، بچپن سے جس شہر کا عظمت و حیرت سے نام سنتے تھے بالآخر وہاں پہنچ گئے۔

قالوا خراسان اقصى ما يراد بنا

ثم القفول فقد جئنا خراسانا

ہوائی اڈہ سے ایر ٹرمینس تقریباً ۲۰۔۲۵ میل ہے، یہ فاصلہ بس پر طے کیا، وہاں پہنچے تو احباب کی ایک جماعت لینے کے لئے موجود تھی، سب سے پہلے لکھنؤ کے مسرور احمد نظر آئے جو یہاں دو ڈھائی سال سے ہیں اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ان کے ساتھ مقامی تبلیغی جماعت کے افراد تھے، آگے بڑھ کر مولانا ظفر احمد انصاری، اطہر حسین صاحب، سید منور حسین وغیرہ نظر آئے، اسی اثناء میں مولوی عبداللہ صاحب پہنچے، ان کو دیکھ کر آدھی مسافرت جاتی رہی، ان کے سفر کا پروگرام بن چکا تھا، آمد کی اطلاع پا کر اس کو ملتوی کیا۔ اب ہم انہیں کے ساتھ ٹھہر رہے ہیں، ممکن ہے وہ اسپین بھی ہمارے ساتھ جائیں، اس وقت تو منور حسین

صاحب کے مکانوں میں سے ایک مکان اور ظفر احمد صاحب اور ان کے صاحبزادہ ظفر اسحاق کی قیام گاہ پر آگئے، کچھ ٹھہر کر مولوی عبداللہ عباس صاحب کی قیام گاہ پر گئے، جگہ پسند آئی، وہاں سے لندن کے تبلیغی مرکز (ایسٹ لندن) کی مسجد گئے، عشاء کی نماز وہیں پڑھی، رات ظفر اسحاق صاحب کی قیام گاہ پر گزاری، اب مولوی عبداللہ صاحب کے یہاں کی تیاری ہے، خطوط وہیں کے پتے پر بھیجے جائیں۔

لندن انشاء اللہ دو ہفتے قیام کا ارادہ ہے، اسی اثناء میں یہاں کے کتب خانوں سے بھی فائدہ اٹھایا جائے گا، اور آکسفورڈ کیمبرج وغیرہ کی شہرہ آفاق تعلیم گاہیں بھی دیکھی جائیں گی، والأمر بید اللہ تعالیٰ۔

والسلام

علی

(۲)

لندن

۷/اکتوبر ۱۹۶۳ء

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے اب بالکل اچھے ہوں، لکھنؤ سے کوئی خط نہیں آیا جس سے آپ کو خیریت اور وہاں کے حالات معلوم ہوتے، ہم نے متعدد مفصل خطوط لکھے جو امید ہے آپ کی نظر سے گزرے ہوں گے۔

یہاں لندن کا قیام سب سے زیادہ پر راحت، مفید اور دلچسپ ثابت

ہوا، مولوی عبداللہ صاحب کے پاس قیام ہے، ایک کمرہ، ایک مرکزی مقام پر ان کے پاس تھا، ایک مزید وسیع کمرہ اور لے لیا، فرنیچر، ٹیلی فون، انگیٹھی، گیس ہر چیز کا آرام ہے، مسرور لکھنوی اور ان دونوں صاحبوں کی وجہ سے ہندوستانی کھانے کا لطف حاصل ہے، بالکل قاہرہ اور کویت کا سا لطف ہے، (۱) کسی وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم لندن میں ہیں، ورنہ معلوم ہوتا ہے کہ بمبئی یا رنگون میں ہیں، ہندوستانی پاکستانی کثرت سے ہیں (ایک لاکھ تعداد بتائی جاتی ہے) ہندوستانیوں، پاکستانیوں میں یہاں بڑی محبت وتواضع ہے، خصوصاً جو طلبہ یہاں لندن یونیورسٹی اور کالجوں میں تعلیم پا رہے ہیں یا کچھ کام کرتے ہیں ان میں ایسی تواضع، سادگی خلوص اور طلب پائی جاتی ہے جس کا تصور وہاں سے نہیں ہوسکتا تھا، انہیں کے ہم جنس وہاں اکثر متکبر نظر آتے ہیں اور غیر سنجیدہ، اکثر ملنے آتے ہیں اور ساتھ رہتے ہیں، ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدر شعبہ قانون علی گڑھ کے صاحبزادہ رشید الظفر، ایک ڈاکٹر جاوید، ایک صاحبزادہ منصور، جنگ صاحب کے لڑکے محبوب سب بڑی سعید روحیں اور سلیم الطبع نوجوان ہیں، اول الذکر کے یہاں تاریخ دعوت وعزیمت دیکھی جس کو وہ برابر گردش میں رکھتے ہیں، کل یہ لوگ اپنے یہاں لندن ہاؤس میں لے گئے تھے، ڈھائی تین سو آدمیوں کے رہنے کی عظیم عمارت ہے، ہر کمرہ میں ٹیلیفون ہے اور دوسرا سامان آسائش (ہیگ وغیرہ) ڈاکٹر ابرار مصطفیٰ بھی آگئے تھے خوب رونق رہی، سنجیدہ سوالات کرتے تھے، اور توجہ وقدر سے سنتے تھے۔

لندن دیکھا، بعض مشہور چیزوں کو دیکھ کر حیرت و مایوسی ہوئی، بعض کو دیکھ کر تاثر و وقعت، قصر بکنگھم بہت معمولی معلوم ہوا، لکھنؤ کا گورنمنٹ ہاؤس کہیں

---

(۱) ان دونوں شہروں کے سفر میں مولانا کے ساتھ ہم مذاق رفقاء تھے۔

زیادہ شاندار، نمبر ۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ جو وزیر اعظم کا دائمی محل اور دفتر اور گویا برطانیہ کا دارالحکومت ہے باہر سے بڑا حقیر، معمولی، لکھنؤ کے ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی کہیں زیادہ شاندار اور وسیع، اندر سے سنا ہے کہ کروڑوں روپئے حال میں اس کی مرمت اور آرائش میں صرف ہوئے ہیں، انگریز قوم حد درجہ کی قدامت پسند اور روایات پرست ہے، ان دونوں مکانوں کو ان کی قدامت و تاریخ کی وجہ سے لگائے ہوئے ہے، اور نقل مکانی نہیں ہوتا، خواہ مرمت میں کروڑوں روپئے صرف ہو جائیں۔

میوزیم بڑے شاندار، معمور اور مفید پائے، نیچرل ہسٹری میوزیم، سائنس میوزیم، البرٹ میوزیم اور ویسٹ منسٹر ایبے کا گرجا دیکھا جو تاج پوشی کی جگہ اور مشاہیر کا مدفن ہے یہ میوزیم قابل دید ہیں، اور ان کے لئے سفر جائز، البرٹ میوزیم کا اسلامک سیکشن بھی خوب ہے اور خوب نوادر دیکھے بزع

جو دیکھے ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

سائنس میوزیم میں تمام جدید آلات کی تدریجی ترقی (موٹر، ریل گاڑی، بحری جہاد گھڑی وغیرہ) کو خوب دکھایا ہے، آپ یاد آئے، علی ہذا القیاس ہائیڈ پارک کا تماشا بھی دیکھا، سنا تھا کہ ہر شخص کو تقریر، تنقید اور تمسخر کی اجازت ہے، عجب طوفان بے تمیزی تھا، بڑا عبرت ناک منظر محمد جان ویسٹر کا تھا یہ شخص کچھ عرصہ پہلے مسلمان ہوا تھا، آجکل غالباً یہودی ہے، یہودیوں اور افریقیوں کی تائید اور عربوں اور پاکستانیوں کی ہجو کر رہا تھا، اور کبھی کبھی اسلام کا تمسخر بھی، مقرر اور حاضر جواب بلا کا ہے، دیکھ کر بڑا تکدر ہوا۔

جمعہ ۱۱ر اکتوبر کو لندن یونیورسٹی میں ہماری تقریر رکھی گئی ہے، تقریر یونین میں ہوگی، ہم نے عربی میں مضمون تیار کیا ہے اس طرز پر جیسے اسمعی یا مصر یا

ہمارے بعض ایسے مضامین ہیں جو دل کھول کر لکھے گئے، اور اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی، انگریزی میں پہلے سے ترجمہ تیار ہوگا جو یہاں کا ایک نومسلم انگریز مصطفیٰ پڑھے گا جو اہل زبان اور ادیب ہے اور بڑا مخلص اور رقیق القلب معلوم ہوتا ہے، اس کے اسلام کا عجیب واقعہ ہے جو زبانی انشاء اللہ سنائیں گے، یہاں کے تبلیغی مرکز سے بھی پورا رابط اور تعلق ہے اور اس کے اجتماعات میں برابر شرکت، قاسم سیٹھ(۱) کو آمد کی اطلاع کردی ہے ابھی ملاقات نہیں ہوئی۔

آب وہوا بہت عمدہ ہے، بھوک خوب لگتی ہے، سردی ہمارے یہاں کے دسمبر کی سی ہے، آتے ہی چسٹر خریدا جو ایک سوتیں کا ملا، ڈاکٹر صاحب (۲) اچھے ہیں اور سلام کہتے ہیں۔

والسلام

علی

(۳)

لندن

۱۵/اکتوبر ۱۹۶۳ء

عزیزی سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی خط مورخہ ۱۲/اکتوبر ۱۹۶۳ء ملا، خیریت وضروری حالات معلوم ہوئے، لندن یونیورسٹی اور اڈنبرا یونیورسٹی نے ندوہ کی سند تسلیم کرلی، یعنی ہمارے

---

(۱) سابق نائب ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا معین اللہ صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک محب ودوست۔

(۲) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب۔

یہاں کا سند یافتہ براہ راست پی ایچ ڈی میں داخل ہوسکتا ہے، کسی مزید سند کی ضرورت نہیں، البتہ لندن یونیورسٹی میں دو سال مقامی طور پر کام کرنے کی شرط ہے، مولوی عبداللہ نے لندن میں رہ کر اچھا فائدہ اٹھایا اور فائدہ پہنچایا، وہ خود ایڈنبرا سے ڈاکٹریٹ کررہے ہیں، ابن کثیر ان کا موضوع ہے، حلقہ تعارف بھی اچھا بنالیا، لندن یونیورسٹی یونین کا جلسہ انہیں کے تعارف کے ذریعہ ہوا، جلسہ اچھا رہا، مقالہ الحمد اللہ بہت اچھا تیار ہوگیا اور ترجمہ بھی بہت اچھا ہوا، انگریز نومسلم مصطفیٰ ایوانس نے جب جوش کے ساتھ اس کو خالص انگریزی لہجہ میں پڑھا تو سماں بندھ گیا، بہرحال اس آذرہ کدۂ عالم میں ایک اذان دینے کی سعادت تو مل گئی، اسلامک سوسائٹی اس کو پمفلٹ کی شکل میں شائع کرے گی۔

کل آکسفورڈ کا سفر تھا یونیورسٹی دیکھی اور راز ہر کی طرح تلاش کرتے رہے کہ جس کی شہرت سنی تھی کہاں ہے، عجب نظام ہے، کالج ۲۶ ہیں سب اقامت گاہیں، بالکل عربی مدارس کی طرح حجرہ نما کمرے، ہر کالج میں التزاماً چیپل یعنی چھوٹا گرجا، عیسائی رسوم وروایات وشعائر کا بڑا اظہار، ٹیوٹوریل نظام ہے یعنی تھوڑے تھوڑے طلبہ ایک استاد کے سپرد ہو جاتے ہیں وہ رہنمائی کرتا رہتا ہے، اساتذہ کے لکچروں میں شرکت ضروری نہیں، آج کیمبرج کا پروگرام ہے، آکسفورڈ میں صدر شعبہ عربی پروفیسر بیسٹن سے خصوصی ملاقات ہوئی، کیمبرج میں ڈاکٹر آربری سے وقت مقرر ہوا ہے، گلاسگو سے افتخار جنگ کا ٹیلیفون آیا کہ یہاں ضرور آئیں وہ یہاں سے چار سو کیلو میٹر ہے، غالباً جمعہ کو جانا ہو، اب انشاء اللہ ۲۰/اکتوبر کو اسپین روانگی ہے، شاید دس دن کا دورہ ہو، یہ سفر ذاتی طور پر بہت مفید ہوا، اس ملک کو دیکھنا ہی چاہئے تھا۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ، کسی نے صحیح کہا ہے، خوبیاں اور خامیاں مشاہدہ

بن گئیں، مغربی تہذیب سے مایوسی اور بعد بڑھ گیا، اس پتھر میں جونک لگنی بڑی مشکل معلوم ہوتی ہے، دور سے بڑی خوش گمانی ہوتی ہے، یہاں تو بالکل مشینی و مصنوعی زندگی ہے، قدرت الٰہی ہی کچھ انتظام کر سکتی ہے کہ یہ لوگ کسی اور بالاتر حقیقت پر غور کریں۔

ڈاکٹر صاحب اچھے ہیں ان کی رفاقت بڑی کارآمد رہی۔

والسلام

ابوالحسن علی

(۴)

لندن

۱۷/اکتوبر ۱۹۶۳ء

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ وحفظہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ۱۷/اکتوبر پنجشنبہ لندن سے روانگی کا دن تھا، مگر گلاسگو سے آنے کا اصرار ہوا اور کہا گیا کہ ہوائی جہاز سے انتظام کر دیا جائے گا خواہ ایک روز کے لئے وقت نکل سکے آنا ضروری ہے، کل جمعہ ۱۸/اکتوبر کو صبح یہاں سے روانہ ہو کر انشاء اللہ شام ہی کو واپسی ہو جائے گی، پھر ۱۰/اکتوبر کو اللہ نے چاہا تو اسپین روانگی وما تدری نفس ماذا تکسب غداً۔

لندن کا قیام اس حساب سے ۱۹۔۲۰ روز ہو رہا ہے، یہ اس دورہ کے قیام کی سب سے طویل مدت ہے مگر لندن کی وسعت اور مصروفیت کے لحاظ سے یہ مدت بھی قلیل اور ناکافی ہے

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں

لیکن مصروفیت کے لحاظ سے یہ وقفہ نسبتاً کارآمد و تسلی بخش رہا، انگلستان میں مقیم سلیم الطبع اور صاحب طلب عنصر سے ارتباط پیدا ہوا، علمی و تعلیمی مرکزوں کے دیکھنے اور سمجھنے کا کسی قدر موقع ملا، مغربی تمدن کو ذرا قریب سے اور اہل مغرب کو ان کے درمیان رہ کر سمجھنے کا موقع ملا، برٹش میوزیم لائبریری اور انڈیا آفس لائبریری کا بھی کچھ اندازہ ہوا، (اندازہ اس لئے کہ استفادہ کے لئے مہینوں کی مدت درکار ہے) بعض ممتاز مستشرقین وفضلاء سے ملاقات اور گفتگو ہوئی، اپنے موضوع پر بعض نئی کتابیں جو نہیں مل سکتی تھیں دستیاب ہوئیں اور ان سے ضروری معلومات اور مفید اقتباسات حاصل کئے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک دو اچھے خطاب اور اظہار خیال کے موقعے ملے، ذاتی طور پر یہ قیام مفید و پراز معلومات رہا، ساری عمر دور سے سنا کئے اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور صورت حال اپنی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ سامنے آگئی اور کسی کے تخیل آرائی اور مبالغہ آمیزی کی گنجائش نہیں رہی۔

کوشش کی کہ یہاں کے تمام قابل دید مقامات اور مراکز دیکھ لئے جائیں تاکہ کوئی افسوس وشوق نہ رہے اور زندگی کے سب پہلو سامنے آجائیں، چنانچہ تقریباً تمام قابل ذکر دارالآثار ومتاحف (میوزیم) دیکھے اور ان سے فائدہ ہوا، خاص طور پر نیچرل ہسٹری میوزیم جس میں نباتات واشجار، اور حیوان اور وجود انسانی کے نشوونما اور ارتقا اور ان کے مختلف مراحل کو مجسم شکل میں دکھایا گیا ہے، اور سائنس میوزیم جس میں زندگی کی ضروری چیزوں (ریل، موٹر، بحری و ہوائی جہاز، گھڑی وغیرہ) کی ایجاد وترقی کو عہد بعہد اور درجہ بدرجہ دکھایا گیا ہے، نیز البرٹ میوزیم میں تمدن ومعاشرت کے نمونے اور اس کا شعبہ اسلامیات

خاصا دلچسپ رہا، ویسٹ منسٹر ایبے کا شہرہ آفاق و تاریخی کلیسا اور نا موران یورپ کا مدفن بھی دیکھا، پارلیمنٹ کی عمارت نمبر۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ جو برطانوی وزیر اعظم کی قیامگاہ اور دنیا کا ایک عظیم ترین سیاسی مرکز ہے نیز قصر بکنگھم بھی باہر سے دیکھا اور اتوار کے روز ہائڈ پارک میں مقررین کی نوک جھونک اور آزادی رائے اور آزادی اظہار خیال کا تماشا بھی دیکھا، اہم و پر رونق مقامات، چہل پہل کی جگہوں اور بعض مضافات میں بھی جانا ہوا، زیر زمین گاڑیوں پر جن کا جال میلوں تک پھیلا ہوا ہے اور وہی یہاں کا سب سے بڑا ذریعہ نقل و حرکت ہے کثرت سے سفر کیا، اور جو دو ایک مقامات باقی ہیں دو ایک دنوں میں انشاء اللہ ان کو بھی دیکھ لیں گے، اس کے بارے میں ہم نے نہ ضرورت سے زیادہ حقیقت پسندی سے کام لیا نہ تقشّف سے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس سب کے بغیر اس تمدن اور زندگی کے متعلق رائے قائم کرنا اور اس کے خیر محض یا شر محض ہونے کا فیصلہ دینا صحیح نہیں، نہ اس کی ساخت اور مزاج کا صحیح علم ہو سکتا ہے نہ اس میں رہنے والوں کی مجبوریوں ضرورتوں اور مشکلات کا۔

ایک روز یہاں کے اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز میں جانا ہوا، تاریخ ہند (قبل اسلام) کے پروفیسر بیشم نے وقت دیا تھا اور چائے پر مدعو کیا تھا، وہ ہندوستان آتے جاتے رہتے ہیں، لکھنؤ بھی جا چکے ہیں، کچھ دیر مجلس رہی، یہ لندن یونیورسٹی کا شعبہ و مرکز السنہ شرقیہ ہے، عربی، فارسی، اردو زبانوں اور ادب کی تعلیم یہیں ہوتی ہے، اور یہیں سے مشرقیات پر لوگ پی ایچ ڈی کرتے ہیں، متعدد مسلمان ہندوستانی پاکستانی مصری حجازی طلبہ سے ملاقات ہوئی جو ڈاکٹریٹ کرنے آئے ہوئے ہیں، ایک صاحب سندھ سے آئے ہیں، اور امام صغانی کے تکملہ صحاح پر ریسرچ کر رہے ہیں، اپنا کام دکھانے اور مشورہ لینے قیام گاہ پر بھی

آئے، خاصی محنت اور دیدہ ریزی کررہے ہیں، الثقافة الإسلامية فی الهند دیکھنے کا بہت شوق ہے۔

ایک دوسرے صاحب جونپور کے سلاطین مشرقی پر ریسرچ کررہے ہیں، وہ بھی آئے اور دیر تک تبادلہ خیالات کرتے رہے، ایک مصری اسلامک کامن ویلتھ پر کام کررہے ہیں، غرض خاصا عنصر ہے، ہمارے خاص مہربان اور رہبر قدیر مرزا صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی پر تھیسس تیار کیا ہے اور خاصی تحقیق کی ہے، ان کی بعض معلومات سے ہماری معلومات میں بھی اضافہ ہوا، جو آئندہ یا بندہ، یہ لوگ برسوں کام کرتے ہیں اور کچھ نہ کچھ نکال لیتے ہیں، عربی کے پروفیسر سارجنٹ آج کل باہر گئے ہوئے ہیں اس لئے ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔

گزشتہ دوشنبہ ۱۴/ اکتوبر کو آکسفورڈ گئے، بچپن سے اس یونیورسٹی کا نام سنتے تھے، مولانا محمد علی مرحوم بھی یہیں کے تعلیم یافتہ تھے، آکسفورڈ کیمبرج دراصل دو قصبے ہیں (لیکن ہمارے یہاں کے بہت سے شہروں سے بڑے) یہ دونوں یونیورسٹیاں ان کے نام سے مشہور ہوگئیں، تقریباً لندن سے ۵۰۔۶۰ میل کا فاصلہ ہوگا، ٹرین سے سفر ہوا، کرایہ (یہاں صرف فرسٹ و سکنڈ کلاس ہیں) ہمارے یہاں کی شرح و معیار سے بہت زیادہ ہے۔ اسٹیشن پر دو دوست لینے آئے تھے، انہوں نے پروفیسر بیسٹن صدر شعبہ عربی سے ملاقات کا وقت لے لیا تھا، ایک مسلمان ریسٹوراں میں (جہاں بالکل اور پہلی مرتبہ لکھنؤ دہلی کے ذوق کہ کھانا ملا) کھانا کھا کر اور نماز پڑھ کر یونیورسٹی گئے، یونیورسٹی کا مفہوم یہاں ہمارے معروف مفہوم و تخیل سے بالکل مختلف ہے، تقریباً ۲۵۔۲۶ کالج ہیں، اور کالج بھی معروف معتاد معنی میں تعلیم گاہ ہیں، اصلاً اقامت گاہیں، وہاں طلبہ

رہتے ہیں، پوری یونیورسٹی میں ٹیوٹوریل سسٹم رائج ہے، تھوڑے تھوڑے طلبہ ایک ایک استاد کے حوالہ ہوجاتے ہیں، وہ ان کے مطالعہ وعلمی ترقی کا نگراں و مشیر ہوتا ہے، یونیورسٹی (جو ان کالجوں کا ایک نگراں وسرپرست ادارہ ہے) لکچروں کا انتظام کرتی ہے، مضامین کے اعتبار سے ٹیوٹر ان لکچروں کا انتخاب کردیتا ہے، ان لکچروں میں شرکت لازمی نہیں، طلبہ کو خود کام کرنا پڑتا ہے اور ٹیوٹر کو دکھاتے رہنا پڑتا ہے، یونیورسٹی امتحان لیتی اور سند دیتی ہے، ہر کالج میں رہنے کے لئے کمرے ہیں، باہر سے وہ بالکل ہمارے عربی مدارس (دیوبند وغیرہ) کے حجروں کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں، کالجوں کی عمارتیں بہت قدیم ہیں، صدیوں سے اپنی اصلی شکل پر چلی آرہی ہیں، ہر کالج کے ساتھ ایک چھوٹا سا کلیسا (چیپل) ہے، کالجوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے عیسائی خانقاہیں تھیں، درحقیقت یورپ میں (جیسا کہ مشرق میں) علم وتعلیم کا آغاز ان مذہبی مرکزوں سے ہوا، ابھی تک یورپ نے (اپنی بدنام لامذہبیت وروشن خیالی کے برخلاف) ان خصوصیات، رسوم وروایات اور دینی شعائر کو قائم کر رکھا ہے اور سینہ سے لگا رکھا ہے، ہم کو ہمارے تعلیمی رہنماؤں اور علمبرداروں نے ابھی تک بڑی تاریکی اور مغالطہ میں رکھا تھا، انہوں نے ہر جگہ تعلیم گاہوں کو مذہبی نشانات وروایات سے الگ رکھا اور ہمارے اسلامیہ کالجوں میں بھی (سوائے مسلم یونیورسٹی کے) مساجد کا وجود نہیں یا کم سے کم پابندی نہیں، آکسفورڈ اور کیمبرج میں دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یہاں تعلیم ومذہب اور کلیسائی رسوم تو اُم اور ایک دوسرے میں مدغم ہیں، بعض ایسی رسوم وروایات کا بھی علم ہوا جن کا تصور بھی نہ تھا اور جو ہمارے یہاں کی روشن خیالی کے لئے نہ صرف ناقابل برداشت بلکہ ناقابل تصور ہیں۔

ہر کالج کے ساتھ ایک مشترک کھانے کا کمرہ اور ایک بڑا لان یا میدان بھی ہے، یہ دونوں چیزیں اور کلیسا کالج کے لئے لازم وملزوم ہیں، تین بجے پروفیسر بیسٹن سے ملنے گئے، وہ کمیٹی میں تھے تاخیر سے آئے اور معذرت کی، وہ عربی زبان وادب پڑھاتے ہیں، قرآن مجید کے بعض پارے اور جاحظ وغیرہ ان کے زیر درس ہیں، بیضاوی کے کچھ حصہ کا بھی ترجمہ کیا ہے، کچھ دیر ان سے عربی منتخبات ونثر پر گفتگو رہی، عربی بولنے سے یہ تمام اساتذہ تقریباً قاصر ہیں اس لئے انگریزی ہی میں چار و ناچار گفتگو ہوتی ہے۔

کالج کسی ایک جگہ نہیں شہر میں منتشر ہیں، ان میں بڑے بھی ہیں اور چھوٹے بھی، متوسط میں دوسو طلبہ کے قریب ہوتے ہیں، ہم نے خاص طور پر لنکن کالج کو دیکھنے کی خواہش کی، کیونکہ ہمارے مولانا محمد علی مرحوم نے اسی میں قیام کیا تھا، رفیق صاحب نے یہ بھی بتایا کہ یہاں کا پورٹر جو ابھی ریٹائر ہوا ہے مولانا سے خوب واقف تھا اور وہ کمرہ بتاتا تھا جس میں مولانا کا قیام تھا، یونیورسٹی کل دفتر، لکچروں اور امتحانات کا مرکز اور بڑی لائبریری بھی ہے، باہر سے ان سب کو دیکھ کر اسٹیشن آئے، اور لندن کے لئے روانہ ہو گئے۔

دوسرے دن کیمبرج جانا ہوا، فاصلہ تقریباً وہی، مسافت ایک گھنٹہ کی، اس سفر میں قدیر بیگ صاحب بھی ساتھ تھے، پروفیسر اربری سے تین بجے کا وقت مقرر ہو چکا تھا، اسٹیشن پر سید علی اشرف صاحب تشریف لے آئے تھے جو کراچی یونیورسٹی میں انگریزی کے استاد ہیں اور ڈاکٹریٹ کے لئے آئے ہوئے ہیں، بڑے مسلمان آدمی ہیں، ان کی معیت میں مختلف کالج دیکھے، یہاں بھی وہی نظام ہے، کالجوں کی عمارتیں نسبتاً بہتر اور شاندار معلوم ہوئیں، چیپل ہر جگہ موجود، اور کلیسائی مظہر اور طرز ہر جگہ نمایاں، اشرف صاحب سے معلوم ہوا کہ دو تین

درسگاہوں میں ایک صدی قبل لاطینی، یونانی زبانیں اور ریاضی کی تعلیم ہوتی تھی، رفتہ رفتہ انگریزی بھی آئی۔

دونوں درس گاہوں میں ہمیشہ سے تقابل اور منافست رہی، اب بھی دونوں کے فضلاء میں درسگاہی عصبیت اور حمیت پائی جاتی ہے، آجکل شاید آکسفورڈ کا معیار بلند سمجھا جاتا ہے، اشرف صاحب سے معلوم ہوا کہ انگریزی زبان میں آکسفورڈ کو ترجیح حاصل ہے، اور انگریزی ادب (تنقید و تحقیق) میں کیمبرج کو، ان کے خیال میں جدید تنقید ادب اور تحقیق کا آغاز کیمبرج سے ہوا، ایک نو وارد اور غیر ماہر کی حیثیت سے ہمارے لئے ان میں محاکمہ اور تنقید مشکل ہے۔

۳ بجے پروفیسر آربری سے ملاقات ہوئی، ملتے ہی میں نے ان سے عربی میں کہا کہ کیا آپ عربی میں گفتگو کرنے کی اجازت دیں گے؟ معلوم ہوا تھا کہ عرصہ تک وہ مصر میں رہے ہیں، انہوں نے تہذیب و معذرت کے ساتھ کہا کہ اگر آپ انگریزی بول سکتے ہوں تو انگریزی ہی میں بہتر رہے گا، ۴۰ منٹ تک ملاقات و گفتگو ہوئی، مستشرقین میں زیادہ وسیع القلب اور تصوف کی طرف مائل سمجھے جاتے ہیں، قرآن مجید کا ترجمہ نیز متعدد تصوف کی قدیم کتابوں، کتاب اللمع وغیرہ کا ترجمہ کیا ہے، حال میں مولوی عبداللہ صاحب کے پاس حافظ کی پچاس غزلوں کا ترجمہ بھی دیکھا، بیٹھتے ہی انہوں نے کہا کہ سب سے پہلے میں اس کمرہ کا تعارف کرادوں جہاں اس وقت ہم جمع ہیں، یہ چھ سو برس پہلے کا پرانا کمرہ ہے، پھر اور گفتگو شروع ہوئی، ان سے کسی دارالاشاعت نے مسلمانوں کے متعلق کتاب لکھنے کی فرمائش کی ہے، اس لئے زیادہ تر مختلف مسلم ممالک میں مساجد و ائمہ و خطباء و صیغہ امور مذہبی سے متعلق معلومات دریافت کرتے رہے، بعض کتابوں کا جو مسلمانوں یا مستشرقین نے اسلامیات کے

بارے میں لکھی ہیں تذکرہ ہوا، قرآن مجید کے قدیم نسخوں کے متعلق بھی، رضوان صاحب کا ذکر بھی آیا، ان کی عربی کی تعریف کرتے تھے، اس مختصر گفتگو کی بنیاد پر کوئی تأثر ظاہر کرنا اور درجہ قائم کرنا مشکل بھی ہے اور ذمہ داری کے خلاف بھی، لیکن ابھی تک جن مستشرقین سے ملاقات ہوئی ان سے مل کر عام تأثر کچھ زیادہ بہتر اور بلند قائم نہیں ہوا، معلومات میں نہ زیادہ وسعت ہے نہ گہرائی، غالباً جس موضوع پر جس زمانہ میں کام کرتے ہیں اس پر وقتی طور پر حاوی ہو جاتے ہیں پھر چونکہ اس کا انکی زندگی سے تعلق نہیں ہوتا اس لئے اس کا استحضار اور اس پر عبور معلوم نہیں ہوتا۔

آربری صاحب سے مل کر عرب طلبہ کی مجلس میں آئے، بڑے اچھے ممتاز عرب نوجوان جمع ہو گئے تھے، اور بڑے سنجیدہ و معقول سوالات کرتے رہے، ان کی ذہانت و اسلامی فکر سے جی خوش ہوا، خود انہوں نے بھی کہا کہ یہاں بڑا اچھا سنجیدہ اسلام پسند عنصر جمع ہو گیا ہے، یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ ابھی تک جمعہ پڑھنے کی کوئی جگہ ان کو نہیں ملی، اگر وہ پہلے ذکر کرتے تو آربری صاحب سے کہا جا سکتا تھا اور اس کا انتظام ہو سکتا تھا، اس مجلس میں جلیل احمد صاحب علیگ بھی تھے ان سے مل کر بھی مسرت ہوئی۔

یونیورسٹی کی لائبریری سے ایک کتاب لینی تھی، اس سلسلہ میں وہاں بھی جانا ہوا، لائبریری بہت بڑی اور بڑی منظّم ہے اور کیمبرج سے انتساب کی بنا پر ہونا بھی چاہئے تھا، راکفلر کے عطیہ سے عمارت بنی ہے اور خوب ہے، یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ مصنفین کے اعتبار سے فہرستوں کے رجسٹر الگ ہیں، محض کارڈ سسٹم پر اکتفا نہیں کیا گیا، مغرب کی نماز اشرف صاحب کے یہاں پڑھکر اسٹیشن آئے اور آٹھ بجے شب میں لندن پہنچ گئے۔

ترتیب میں آکسفورڈ اور کیمبرج سے پہلے برمنگم کا ذکر کرنا تھا مگر ذہن سے اتر گیا، برمنگم میں غالباً سب سے بڑی تعداد مسلمان مقیمین کی ہے کئی ہزار کی تعداد میں ہیں اور مسجد بھی ہے، دو گھنٹے کا راستہ تھا، مظہر صاحب اسٹیشن پر آ گئے تھے، اس سفر میں مصطفیٰ ایوانس (نومسلم انگریز) بھی تھا، مظہر صاحب کے مکان پر کچھ دیر ٹھہر کر حامد صاحب کی رہبری میں ایک عرب شیخ سے ملنے گئے جنھوں نے دو زاویہ قائم کر رکھے ہیں، عرب بھی خاصی تعداد میں ہیں، شیخ صالح اور ذاکر و شاغل معلوم ہوتے ہیں اور لوگوں کو ان سے تعلق ہے۔

جلال آباد تھانہ بھون کے ایک بزرگ حاجی محمد یوسف صاحب کے یہاں کھانا کھا کر مسجد گئے، مسجد خاصی وسیع ہے، حاضرین کی تعداد بھی اچھی تھی اور اکثر کا تعلق تبلیغی جماعت سے تھا، تبلیغی کام یہاں اچھا ہے اور امیر جماعت بڑے مخلص و دین دار بزرگ ہیں۔

ظہر کے بعد کی تقریر کے بعد ہم لوگ یونیورسٹی آئے، اسلامی مجلس کا سکریٹری ایک شامی نوجوان سہیل رفاعی جو دمشق کے قیام سنہ ۱۹۵۶ء اور یونیورسٹی کے خطبات کے ذریعہ دین سے واقف تھا اسی نے جلسہ کا انتظام کیا تھا، بڑی محبت سے ملا اور اپنا تعارف ظاہر کیا، پاکستانی و ہندوستانی طلبہ خاصی تعداد میں تھے۔ اس لئے تقریر (ان کی فرمائش پر) اردو میں ہوئی، عنوان تھا ''یورپ سے پڑھ کر جانے والے مسلمان طلبہ کی ذمہ داری'' ترجمہ عرب وغیر اردو داں طلبہ کے لئے قدوائی صاحب نے کیا جو جگور کے رہنے والے اور نصرت علی صاحب قدوائی کے صاحبزادہ اور بڑے ذہین نوجوان ہیں، ترجمہ بہت کامیاب اور رواں تھا اور تقریر کی روح کی اچھی ترجمانی تھی، جی خوش ہوا، پھر سوالات کا سلسلہ شروع ہوا، سوالات معقول، فراغت کے بعد مسجد آئے کچھ دیر نماز مغرب

کے بعد لوگوں کی خواہش پر پھر بیان ہوا، اس سے فارغ ہو کر اسٹیشن آئے اور لندن واپسی ہوئی۔

۱۱/اکتوبر کو وہ جلسہ ہوا جس کا انتظار و اشتیاق تھا اور جس کے لئے مضمون تیار کیا تھا، جلسہ لندن یونیورسٹی کی یونین کے ایک ہال میں تھا، لندن کی مصروفیت اور فاصلوں کے لحاظ سے حاضری اچھی تھی، ہال بھر گیا تھا، اگر چہ ہمارے نقطہ نظر اور موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے اور بہتر ہونی چاہئے تھی، جانے کے بعد جلسہ کا افتتاح ایک جنوبی افریقی کی تلاوت سے ہوا، پھر ہمارا عربی مقالہ جو خاصا طویل تھا، مگر صبر وسکون سے سنا گیا، اس کا انگریزی ترجمہ ظفر اسحاق صاحب نے ایک دن کی محنت میں کیا تھا جو ۳۸ صفحات میں آیا تھا، جن اہل زبان نے دیکھا انہوں نے تعریف کی، مصطفیٰ ایوانس نے پڑھا اور خوب پڑھا، اہل زبان کی زبان وطرز ادا کا لطف اسی روز آیا، اگر چہ انگریزی اچھی تھی مگر معلوم ہوتا تھا بلبل چہک رہا رہے، لہجہ میں کوئی کرختگی نہیں تھی، لوگ ہمہ تن گوش تھے، امید ہے کہ اسلامک سوسائٹی اس کو پمفلٹ کی شکل میں چھپوائے گی، سامعین میں سے بھی بہت سے لوگوں کا تقاضا تھا، امید ہے کہ ندائے ملت یا الفرقان میں اس کا ترجمہ جو مولوی عبداللہ صاحب ندوی نے بڑی شستہ زبان میں کیا ہے چھپے گا۔

کل بی بی سی جانا ہوا، بڑی عظیم الشان عمارت ہے، ایک مستقل سکریٹریٹ، معلوم ہوا کہ بی بی سی کے ملازمین کی کل تعداد ساٹھ ہزار سے کم نہیں، دو تقریریں رکارڈ ہوئیں، ایک ''زائر لندن کے تأثرات'' دوسرا مکالمہ جو عربی زبان کی ترقی کے امکانات اور مسلم ممالک کے ساتھ اس کے تعلقات کے موضوع پر تھا، ابھی معلوم نہیں یہ دونوں تقریریں کس تاریخ کو نشر ہوں گی۔

ابھی اگر چہ اس روداد کا تکملہ باقی ہے اور لندن میں تین روز اور ہیں مگر امید نہیں کہ لندن سے دوسرا خط لکھنے کی نوبت آئے، اب اگر خدا کو منظور ہے تو اسپین یا جنیوا سے خط لکھا جائے گا۔

دعا گو
ابوالحسن علی

بنام

مولانا یعقوب صاحب منشی

مولانا یعقوب صاحب منشی قاسمی ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۶ء سے انگلینڈ کے شہر ڈیوزبری میں مقیم ہیں، پیدائش ۱۴ر محرم ۱۳۵۰ھ مطابق یکم جون ۱۹۳۱ء میں گجرات کے شہر کاوی میں ہوئی، مولانا نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۷۲ھ میں فراغت حاصل کی، نامور اساتذہ میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے، قیام برطانیہ کے دوران مولانا نے تعلیم، دعوت اور تصنیف وتالیف پر خصوصی توجہ دی، برطانیہ میں قیام پزیر مسلم آبادی کے لئے مولانا کی خدمات بہت اہم ہیں، ۱۴۱۰ھ میں مجلس تحقیقات شرعیہ برطانیہ قائم کی، اہم تصنیفات: ۱۔اسلامی ماہ اور رویت ہلال (شریعت وعلم فلک کی روشنی میں) ۲۔ برطانیہ میں صبح صادق کا وقت، ۳۔ برطانیہ میں اوقات نماز کے مشاہدہ پر ایک نظر ۴۔ اوقات صوم وصلوۃ (جس میں برطانیہ کے ۲۱ شہروں کے سال بھر کے صحیح اوقات نماز کمپیوٹر کی مدد سے مرتب کئے گئے ہیں) ۵۔ اسلامی نکاح و طلاق ۶۔ برطانیہ واعلی عروض البلاد پر صبح صادق وشفق کی تحقیق ۷۔ ایصال ثواب کے لئے اجتماعی ختم قرآن ویٰسین شریف کی شرعی حیثیت۔

اس مجموعہ میں آپ کے نام حضرت مولانا کے پانچ خطوط شامل ہیں، پہلا خط ۲۷/اگست ۱۹۶۹ء کا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تعلق کس قدر قدیم ہے۔

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکھنؤ

۱۳/جمادی الآخرۃ ۱۳۸۹ھ

محبّ حبیب حفظہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ مورخہ ۸/اگست میرے نام، اور دوسرا خط عزیزی مولوی معین اللہ صاحب کے نام ۱۹/اگست کا لکھا ہوا، دونوں پڑھے، آپ کی یاد جو فراموش نہیں ہوئی تھی، تازہ اور شاداب ہوگئی، سارے مناظر آنکھوں کے سامنے تصویر کی طرح پھر گئے، آپ کی مخلصانہ رفاقت، عاقلانہ مشورہ، اور کریمانہ انتظامات، اور راحت کا بلیغ اہتمام سب تازہ ہوگیا، آپ کی شب وروز رفاقت میں جو دس دن بسر ہوئے، وہ زندگی کے بہت اچھے دنوں میں تھے، اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے رفقاء ومعاونین کو بہترین جزا عطا فرمائے اور پھر وہ یکجائی، اور دینی کاموں میں رفاقت ومحبت نصیب فرمائے، وما ذلك على الله بعزيز۔

''فاران'' کے اگست کے شمارہ میں شیفیلڈ کی تقریر پڑھ لی، ڈیوز بری کی تقریر یہاں ''ندائے ملت'' اور ''تعمیر حیات'' میں نقل ہوئی، اور اچھے اچھے اہل علم نے پڑھا، حضرت شیخ نے بھی اس کو بہت اہتمام سے سنا، امید ہے کہ لیڈس کی تقریر بھی آپ ہی مرتب کر کے اگر ستمبر نہیں تو اکتوبر کے شمارہ میں ضرور شائع کرادیں گے، اور یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک جاری رہے گا، بمبئی سے ابھی اس ملفوف کے مضمون کے پہنچنے کی اطلاع نہیں ملی، امروز وفردا میں امید ہے کہ مل جائے گی،

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکھنؤ

۱۴؍جمادی الآخرۃ ۱۳۸۹ھ

محبّ حبیب حفظہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ مورخہ ۸؍اگست میرے نام، اور دوسرا خط عزیزی مولوی معین اللہ صاحب کے نام ۱۹؍اگست کا لکھا ہوا، دونوں پڑھے، آپ کی یاد جو فراموش نہیں ہوئی تھی، تازہ اور شاداب ہوگئی، سارے مناظر آنکھوں کے سامنے تصویر کی طرح پھر گئے، آپ کی مخلصانہ رفاقت، عاقلانہ مشورہ، اور کریمانہ انتظامات، اور راحت کا بلیغ اہتمام سب تازہ ہوگیا، آپ کی شب و روز رفاقت میں جو دس دن بسر ہوئے، وہ زندگی کے بہت اچھے دنوں میں تھے، اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے رفقاء و معاونین کو بہترین جزا عطا فرمائے اور پھر وہ یکجائی، اور دینی کاموں میں رفاقت و محبت نصیب فرمائے، وما ذلك على الله بعزيز۔

''فاران'' کے اگست کے شمارہ میں شیفیلڈ کی تقریر پڑھ لی، ڈیوزبری کی تقریر یہاں ''ندائے ملت'' اور ''تعمیر حیات'' میں نقل ہوئی، اور اچھے اچھے اہل علم نے پڑھا، حضرت شیخ نے بھی اس کو بہت اہتمام سے سنا، امید ہے کہ لیڈس کی تقریر بھی آپ ہی مرتب کر کے اگر ستمبر نہیں تو اکتوبر کے شمارہ میں ضرور شائع کرادیں گے، اور یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک جاری رہے گا، بمبئی سے ابھی اس ملفوف کے مضمون کے پہنچنے کی اطلاع نہیں ملی، امروز وفردا میں امید ہے کہ مل جائے گی،

آپ فکر نہ کریں، اس سے خوشی ہوئی کہ "الأرکان الأربعة' آپ کو مل گئی، آپ کو ترجمہ کے لئے چند کتابوں کے نام اور لکھتا ہوں، آپ جس کو انتخاب کرلیں:

۱۔ الوابل الصیب فی شرح الکلم الطیب، علامہ ابن قیم

۲۔ الجواب الکافی لمن سال عن الدواء الشافی، علامہ ابن قیم

آپ نے ملک میں تبلیغی نقل وحرکت کی جو تفصیلات لکھیں ان سے بڑی مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ مزید ترقیات سے نوازے، اس ملک ہی کے لحاظ سے نہیں، بہت سے ملکوں کے لحاظ سے بہت غنیمت ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، خدا کا شکر ہے کہ آپ کی نزاکتوں پر نظر ہے، اور آپ کی موجودگی بہت کچھ موجب طمانینت ہے۔

ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں، امید ہے کہ آپ اس کو گوارا فرمائیں گے، اور ممکن مدد سے دریغ نہ کریں گے، میرے ایک نہایت کرم فرما، اور دینی کاموں میں حصہ لینے والے سیتاپور کے ایک دوست شیخ بنیادِ حسین صاحب صدیقی ایڈوکیٹ آج کل وہیں انگلستان میں مقیم ہیں، ان کے سفر و قیام کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے اعجاز حسین سلمہ کو ہندوستان واپس آنے پر آمادہ کریں، جو تقریباً دس سال سے انگلستان میں مقیم ہیں اور وہاں بعض فرموں میں ملازمت کرتے ہیں عرصہ سے ان کے ماں باپ یہاں ان کو دیکھنے کے لئے تڑپتے تھے، ماشاء اللہ صاحب جائیداد اور کامیاب وکیل ہیں، لیکن صاحبزادہ ہندوستان سے کچھ اس قدر متنفر اور واپسی سے اس قدر متوحش تھے کہ ادھر آنے کا نام نہیں لیتے تھے، اب شیخ صاحب نے ان کو واپسی پر آمادہ کرلیا ہے، لیکن اعجاز حسین تنہا نہیں ہیں، ان کی بیوی اور بچے بھی ان کے ساتھ ہیں، انہوں نے نیوکاسل میں ایک مکان بھی خرید لیا ہے، جس کو فروخت کئے بغیر وہ پورے کنبہ کیساتھ واپس نہیں

آ سکتے ، نہ ہوائی سفر کے مصارف پورے ہو سکتے ہیں آپ کے خدا کے فضل سے ہر جگہ تعلقات ہیں، اور تبلیغی جماعت بھی اکثر جگہ ہے، اس لئے آپ کے یا عبداللہ بھائی کے توجہ دلانے اور کوشش سے یہ مکان فروخت ہو جائے تو بہت اچھا ہے، ایک شریف خاندان کی بڑی مدد ہوگی، اور ایک بڑا مسئلہ حل ہو جائے گا، میں ان کا پتہ آپ کو لکھتا ہوں۔

آپ ان اعجاز حسین صاحب کے والد شیخ بنیاد حسین صاحب سے مل کر بھی خوش ہوں گے، آپ اگر ایک خط ان کے نام ڈال دیں گے، اور ہمارا حوالہ بھی دیں گے تو وہ آپ سے ملنے کے لئے ڈیوزبری آجائیں گے، اور معاملہ آسانی سے سمجھ میں آجائے گا۔

دوسری تکلیف یہ دینی ہے کہ طارق منصور جلالی صاحب کا خط بھی آیا ہے، میرے لئے الگ الگ خط لکھنا بہت دشوار ہے، کئی ہفتہ کے بعد آج آپ کے خط کے لئے وقت نکال سکا ہوں، آپ ٹیلیفون پر ان سے کہدیں کہ ان کا خط مجھے ملا، ان کے یاد کرنے سے بڑی خوشی ہوئی، تبلیغی نقل و حرکت کا حال بھی معلوم ہوا، ایسے ہی کبھی کبھی وہ حالات لکھ دیا کریں تو خوشی ہوگی، انگریزی رسالے ابھی نہیں چھپے، میں ان کا خط مولوی معین اللہ صاحب کو دیتا ہوں، رسالے چھپنے پر ان کو بھیج دیئے جائیں گے۔

عبداللہ بھائی ، اور خصوصی احباب کو سلام کہئے جو اس سفر میں زیادہ ساتھ رہے تھے، والسلام

آپ کا

ابوالحسن علی

۲۷/اگست ۱۹۶۹ء

(۲)

حیدرآباد

۱۶/جون ۱۹۷۱ء

محب گرامی مولانا یعقوب کاوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۴/مئی ۱۹۷۱ء لکھنؤ وقت پر مل گیا تھا، مگر اس زمانہ میں مولانا انعام الحسن صاحب کا مشرقی اضلاع کا دورہ ہو رہا ہے تھا، اور جا بجا اجتماعات تھے جو لکھنؤ کے بڑے اجتماع پر ختم ہوئے، میں بھی بہت مصروف رہا اس سے فارغ ہی ہوا تھا کہ حضرت شیخ مدظلہ العالی کی ہندوستان واپسی ہوئی، اور میں ملاقات کے لئے سہارنپور آیا، وہاں سے حیدرآباد آیا، وہیں سے یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں، یہ تفصیل اس لئے لکھی کہ تاخیر کا عذر ہو جائے۔

اقصی کانفرنس کا دعوت نامہ پہنچا تھا، مگر اس کے سکریٹری اور داعی کا نام شہوان لکھا تھا، میں نے آنے سے معذرت کر دی، لیکن اپنا ایک مضمون عربی اور اس کا ایک انگریزی ترجمہ بھیج دیا تھا، شہوان صاحب کا تار بھی آیا کہ جواب کا انتظار ہے، میں نے تار سے جواب دیا کہ حاضری سے معذوری ہے، مضمون بھیج رہا ہوں، گیلانی صاحب مجھے خوب یاد ہیں، ان سے پہلے اسلامک سنٹر جنیوا میں ملاقات ہوئی تھی، افسوس ہے کہ معذوریوں اور امراض کی وجہ سے اب طویل سفر اور کانفرنس میں شرکت کی ہمت نہ رہی، انہوں نے ٹکٹ بھیجنے کا ذکر کیا تھا، مگر میں نے یہ لکھ دیا تھا کہ فلسطین کے مسئلہ کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہ گیا ہے، صرف فیصلہ اور عمل کی ضرورت ہے، اپنی شرکت کا کوئی فائدہ سمجھ میں نہیں آتا، عرصہ سے ان کانفرنسوں اور جلسوں سے بالکل عقیدہ اٹھ گیا ہے، اور فلسطین کا قصہ تو واقعہ کربلا

کی طرح محرم کی ایک رسم رہ گئی ہے۔

لکھنؤ سے چلنے سے ایک روز پہلے آپ کی بھیجی ہوئی آنکھ کی دوا چاروں شیشیاں مل گئیں، آپ نے بڑے وقت سے یہ دوا بھیجی ہے، سید منور حسین صاحب کا بھیجا ہوا اسٹاک اب ختم ہو رہا تھا اور میں ان کو لکھ رہا تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے، میری آنکھ کی تکلیف بدستور ہے، اب جلد جلد ٹنشن ہونے لگا ہے، بعض ڈاکٹر آنکھ نکلوا دینے ہی کی رائے دیتے ہیں، جو بہتر ہو اللہ تعالیٰ مقدر فرمائے۔

جماعت کے ساتھ آپ کا سفر اور رفاقت مبارک ہو، ہمیں بھی اپنے وہ دس دن یاد آتے ہیں جو آپ کے ساتھ دورے میں گزرے تھے، ڈیوز بری کا اجتماع تو یادگار اجتماع تھا، کبھی خیال آتا ہے کہ انگلستان میں جو تقریریں ہوئی تھیں اور جو سب ریکارڈ کر لی گئی تھیں ان کا ایک مجموعہ شائع کر دیا جائے، اگر آپ کبھی فرصت سے بقیہ تقریروں کو بھی قلمبند کروالیں تو ان کی اشاعت ہماری مجلس کی طرف سے ہو سکتی ہے، فاران کے وہ تراشے بھی مل جاتے تو اچھا ہوتا جن میں وہ دو تقریریں شائع ہوئی تھیں، چھپنے کے بعد آپ جتنے نسخے چاہیں بھیج دیئے جائیں گے، عبداللہ بھائی کو بہت بہت سلام اور واقفین کی خدمت میں بھی، کبھی کبھی ضرور یاد فرما لیا کریں، اللہ تعالیٰ مولانا انعام الحسن صاحب کا دورہ انگلستان مبارک فرمائے، انہوں نے خود ذکر فرمایا تھا، خدا کرے آپ حضرات اس سے پورا فائدہ اٹھا سکیں، یہ جہاں ایک غنیمت ہے وہاں امتحان بھی ہے، امید کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

آپ کا
ابوالحسن علی

(۳)

لکھنؤ

۲۰/اپریل ۱۹۷۰ء

محبی ومکرمی زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۱/اپریل علی گڈھ سے بھیجا ہوا ۱۸/اپریل کو رائے بریلی میں ملا، آپ سے مخلصانہ شکایت ہے کہ آپ ہندوستان آئیں اور میں آپ کے علاقہ گجرات میں بھی جاؤں اور کہیں ملاقات نہ ہو، شاید ہم جیسے نااہلوں کی ملاقات میں آپ کسی قسم کا دینی نفع نہیں سمجھتے، یا اس ملاقات کے لئے شرط ہے کہ میں ہی انگلستان آؤں، بہرحال آپ نے چونکہ دریافت کیا ہے اس لئے لکھتا ہوں کہ میرا قیام انشاء اللہ آخر اپریل تک لکھنؤ رہے گا، پھر شاید مئی کی ابتدائی تاریخوں میں سہارنپور حاضری دوں، دعا ہے کہ آپ کا سفر ہر طرح سے موجب ترقیات اور باعث منافع دینی ہو، اور عرصہ تک آپ کی رہنمائی میں جزائر برطانیہ میں کام ہو، آپ کی صحبتیں اور رفاقتیں اچھی طرح یاد آتی ہیں، اور باقی سب خیریت ہے۔

والسلام

آپ کا

ابوالحسن علی

(۴)

۳/۴/۱۹۷۶ء

محب گرامی منزلت زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۲۳/ مارچ کل یکم اپریل کو ملا جب میں لندن کے سفر کے ارادہ سے مکہ معظمہ آیا ہوا تھا، لندن کے سفر کے بارے میں مجھے سخت تردد رہا، شاید دو تین مہینے ہوئے ہوں گے کہ میں نے اسلامک فیسٹیول والوں کو لکھنؤ سے لکھ دیا تھا کہ میرا آپ کے فیسٹیول میں شرکت کا کوئی ارادہ نہیں، برائے کرم اس سلسلہ میں میرا نام استعمال نہ کیا جائے، اسلامک کانفرنس میں شرکت کا وعدہ کرلیا تھا اور اپنا مقالہ بھی بھیج دیا تھا اس لئے کہ میں ان دونوں چیزوں کو بالکل علیحدہ سمجھ رہا تھا، مجھے اپنی آنکھ کے سلسلہ میں خود بھی لندن آنے کی ضرورت تھی، اس لئے میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا، لیکن مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد ہندوستان کے بعض انگریزی اخباروں کے تراشوں سے اس کا اندازہ ہوا کہ اسلامک کانفرنس بھی فیسٹول کے زیر سایہ اور اس کے تعاون سے ہو رہی ہے، فیسٹول کے بعض پروگرام سخت قابل اعتراض اور شرعی نقطہ نظر سے لائق مقاطعہ تھے، اس لئے مجھے اس موقع پر لندن میں اپنی موجودگی کے بارے میں سخت ذہنی کشمکش درپیش تھی، حضرت شیخ کی خدمت میں بھی اپنی اس کشمکش کا اظہار کیا، لیکن جدہ کے بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ موتمر جامعۃ الملک عبدالعزیز کی امداد اور سرپرستی میں ہورہی ہے تو سفر کا ارادہ کرلیا اور مکہ معظمہ آگیا، میرے سفر کی آمادگی کو سنکر شیخ صالح القزاز نے جو خود بھی اس موتمر میں شرکت کرنے والے تھے مجھے اپنی جگہ رابطہ کا نمائندہ بنا دیا، اور ۲/ اپریل کی سعودی فلائٹ میں جس میں یہاں کے معزز

مہمان اور مدعوین جانے والے تھے میری اور عزیزی محمد رابع سلمہ کی سیٹیں بک کرادیں، لیکن مجھے مکہ معظمہ پہنچ کر لندن کے ایک مخلص دوست کا خط ملا جس سے اس اندیشہ کی توثیق ہوئی کہ کانفرنس کا فیسٹیول سے تعلق اور تعاون ہے اور دینی حلقہ میں اس کی طرف سے شکوک وشبہات ہیں، نیز یہ کہ یہ انگریزی سیاست کا ایک کھیل ہے، اس سے سفر کا خیال بالکل متزلزل ہوگیا، اور آخر فیصلہ کیا کہ اس موقع کو ٹال جاؤں، چنانچہ کانفرنس کے تنظیمی سکریٹری کو تار دے دیا کہ میں نہیں آسکتا، ایک قدرتی انتظام یہ بھی ہوا کہ مجھے نقرس کی شکایت تو سفر سے پہلے تھی، لیکن ان دنوں میں گھٹنے میں خاص تکلیف رہی ہے اور چلنے، اٹھنے بیٹھنے میں تکلف ہوتا ہے، اس طرح طبی عذر بھی ہے، اس کا افسوس اور شرمندگی ہے کہ بہت سے احباب میری آمد کی توقع پر آئے ہوں گے اور وہ مایوس ہوں گے لیکن مجبوری ہے۔

میں لکھنؤ سے اس ارادہ سے روانہ ہوا تھا کہ حجاز سے فارغ ہوکر میں لندن آؤں گا، مجھے اپنی بائیں آنکھ کے معاملہ میں وہاں کچھ کام بھی ہے، بمبئی سے عین روانگی کے موقع پر مولوی یوسف متالا کے کاغذات سفر کے بارے میں ملے، مجھے ایسی دعوت پر آنے میں کچھ تردد نہ تھا اوران سے سال ڈیڑھ سال سے وعدہ بھی چل رہا ہے، لیکن مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ سے یہ معلوم ہوا کہ وہ خود ہندوستان گئے ہوئے ہیں اوران کی اہلیہ کی علالت کا قصہ ہے، معلوم نہیں وہ کب تک ہندوستان سے واپس ہوں، میں زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس اپریل تک حجاز ٹھہر سکتا ہوں، مئی کے اوائل میں ہندوستان پہنچنا چاہتا ہوں، اس لئے زیادہ وقت نہیں ہے، اب اللہ تعالیٰ کو جو کچھ منظور ہوگا وہ ہو جائے گا، انگلستان جب بھی اور جس تقریب سے بھی آنا ہوا آپ حضرات سے جلد سے جلد رابطہ قائم کرنے کی

کوشش کروں گا اور ڈیوز بری بھی حاضر ہوں گا، آپ نے ایسا خیال کیوں کیا کہ میں آپ لوگوں سے ملے بغیر چلا آؤں گا، البتہ میری صحت پہلے کے مقابلہ میں بہت کمزور ہوگئی ہے، اب مجھ سے محنت اور بھاگ دوڑ نہیں ہوتی، اس لئے زیادہ پروگرام اور دورہ ہونا مشکل ہے، یہاں میرے ساتھ عزیزی محمد رابع ندوی آئے ہیں اور وہی اس پورے سفر میں ساتھ رہیں گے، سب احباب کی خدمت میں سلام۔

ابوالحسن علی

(۵)

لکھنؤ

۱۲/ ۱۴۲۶ھ

مکرمی زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ ملا، شکریہ، طریقۂ تعلیم وتدریس پر بھی یہاں کبھی کبھی مذاکرات ہوتے ہیں، اور اساتذہ اس پر غور وفکر کرتے ہیں، البتہ یہاں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، مگر اس فن کی دوسری کتابوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ آپ کی توجہ دہانی کا بہر حال شکریہ ادا کرتا ہوں۔

خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔ والسلام

مخلص

ابوالحسن علی

بنام

مولانا محمد عیسیٰ منصوری صاحب

مولانا محمد عیسی منصوری لندن میں مقیم ایک فعال عالم وداعی ہیں، ورلڈ اسلامک فورم کی صدارت کے علاوہ مختلف اسلامی تنظیموں، جمعیتوں اور مدارس کے رکن ہیں، مولانا منصوری صاحب کی پیدائش ۱۵ جنوری ۱۹۴۵ء کو گجرات کے ضلع امراوتی میں ہوئی، جامعہ حسینی راندیر سے فراغت کے بعد مولانا منصوری تبلیغ ودعوت اور تعلیم وتصنیف کی طرف متوجہ ہوئے، تبلیغی جماعت سے گہرا تعلق ہے، مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ، اور مولانا سید احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر کے ساتھ تبلیغی کاموں میں وقت گزارا اوران اکابر سے استفادہ کیا، ۱۹۷۵ء میں انگلینڈ تشریف لائے اور یہاں کے مسلمانوں کے ملی واجتماعی کاموں کے لئے خود کو وقف کردیا۔

ندوۃ العلماء کی فکر سے ہم آہنگی کی وجہ سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے قریبی تعلق رہا ہے، فکر میں وسعت اور جامعیت ہے، وحدت اسلامی کے داعی اور مسلمانوں کے مذہبی اور گروہی اختلافات کے خاتمہ کے لئے کوشاں ہیں، بے شمار مقالات، اور کئی فکری واصلاحی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں چند کے نام ہیں: ۱۔ برصغیر کے دینی مدارس (نصاب ونظام کا ایک جائزہ) ۲۔ مغرب اور عالم اسلام کی فکری وتہذیبی کشمکش ۳۔ الحاج فضل کریم کی تبلیغی تقریریں، ۴۔ مولانا سعید احمد خان شخصیت، احوال اور دینی خدمات۔

اس مجموعہ میں چار خطوط آپ کے نام ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

بمبئی

۲۳/ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ

محبّ فاضل ومحترم مولانا عیسیٰ منصوری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۱/مئی سفر بمبئی کی وجہ سے تاخیر سے ملا، جواب بھی وہیں سے دیا جارہا ہے، شدید مصروفیت اور علالت طبع کی وجہ سے تفصیلی جواب اس وقت دشوار ہے، امید ہے خیال نہ فرمائیں گے۔

مغربی زبانوں میں دینی لٹریچر کی ضرورت اور اس کی کمی کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے..... اس سے اتفاق ہے، عرصہ سے اس کی ضرورت کا احساس ہے، اور اس کی بنا پر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام قائم کی گئی تھی جس نے توفیق خداوندی سے اردو، عربی، انگریزی، ہندی میں سنجیدہ، مستند اور فکر انگیز لٹریچر شائع کیا، اور کام بحمد للہ جاری ہے، آپ مجلس کے پتہ پر یا ہمارے لکھنؤ کے پتہ پر دوبارہ خط لکھنے کی زحمت فرمائیں تو کچھ نئی چیزیں بھیجی جاسکتی ہیں۔

آپ نے ہندوستان کے مدارس میں تدریسی زبان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ بھی حقیقت واقعہ ہے، مولوی بلال صاحب کے ادارہ کے قیام کی اطلاع سے خوشی ہوئی، آپ کے قائم کردہ ادارہ کی اطلاع سے بھی مسرت واطمینان

ہوا، اللہ تعالیٰ ترقی عطا فرمائے۔

مولوی عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی کی کتاب پر تبصرہ کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس کی نوعیت اور اس سلسلہ میں غلط فہمی اور غلط تأثر کو دور کرنے کے لئے ادارہ تعمیر حیات کی طرف سے ڈاکٹر مولوی عبداللہ عباس صاحب ندوی کا ایک بیان شائع کیا گیا ہے، وہ آپ کو بھیجا جا رہا ہے، اس بیان کے بعد اب کچھ احتجاج و مہم چلانے کی نہ ضرورت ہے، نہ جواز، اور نہ اس وقت ہندوستان کے حالات میں اس کی گنجائش، اللہ تعالیٰ ہمارے سب احباب کو اور دینی کارکنوں کو اپنے جذبات پر قابو پانے اور دینی مصلحت کو سب پر مقدم رکھنے کی توفیق فرمائے۔ والسلام

مخلص

ابوالحسن علی ندوی

۷/مئی ۱۹۹۲ء

(۲)

لکھنؤ

۱۰/جون ۱۹۹۳ء

محبّ گرامی قدر زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے، آپ کا دعوت نامہ موصول ہوا، اس عزت افزائی کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں۔

ورلڈ اسلامک فورم کے زیر اہتمام ۱۸/جولائی کو جس کانفرنس میں

شرکت کی دعوت آپ نے دی ہے اس میں شریک ہونا میرے لئے باعث مسرت وسعادت ہے، لیکن میری صحت عرصہ سے کمزور چل رہی ہے، اس لئے دعوتی سفر میں کمی ہوگئی ہے، ہمارا سالانہ سفر لندن کا انشاء اللہ اگست میں ہوگا، اس موقع پر آپ معلوم کر کے ہمارا پروگرام بنا سکتے ہیں، اور تقریروں اور نشستوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، لیکن ہم جیسے کمزور صحت والے کے لئے یہ ممکن نہیں کہ ۱۸/جولائی کے پروگرام میں شرکت کریں، پھر واپس ہندوستان آکر اگست کے اواخر میں دوبارہ جائیں۔

آپ نے جن حضرات کی شرکت کی اطلاع دی ہے وہ سارے نام کسی سیمینار کی مقبولیت کے لئے کافی ہیں اور کامیابی کی ضمانت بھی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سیمینار کو کامیاب کرے، والسلام

مخلص

ابوالحسن علی

(۳)

لکھنؤ

۱۳/جنوری ۱۹۹۴ء

محبی زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مورخہ ۱۵/دسمبر موصول ہوا، آپ کے احساسات وجذبات سے مسرت ہوئی، آپ نے جس کام میں ہاتھ ڈالا ہے وہ بڑا اہم نازک کام ہے، اور وقت کا شدید تقاضا بھی ہے کہ یہ کام جہاد سمجھ کر کیا جائے، اس کے لئے

زبان طاقتور اور اسٹائل زیادہ دلکش ہونا ضروری ہے، ہماری تصنیفات میں سے جس تصنیف سے آپ کے مقاصد کی تکمیل ہوتی ہو اس کے لئے ہماری طرف سے اجازت ہے۔

تعلیم وتربیت کا محاذ پہلے محاذ ہی کی طرح بنیادی اور اولین اہمیت کا حامل ہے، اس میدان میں عزیزی مولوی علی آدم ندوی نے جنوبی افریقہ میں کام کیا ہے، انہوں نے اسلامی نقطہ نظر سے انگریزی کا نصاب ابتدائی سطح سے سکنڈری سطح تک تیار کرایا ہے، ان کا نصاب اسٹریلیا میں بھی چل رہا ہے، آپ ان سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں، ان کا پتہ یہ ہے۔

ہوسکتا ہے ان سے پہلے سے آپ واقف ہوں۔

احتساب (ثواب کی امید) کے جذبہ کے ساتھ کام کریں، اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے گا، ہمارے لئے صحت اور مشغولیت کی وجہ سے زیادہ وقت دورے میں دینا ممکن نہیں، اگر آئندہ سال زندگی رہی اور لندن کا سفر ہوا اس وقت انشاء اللہ دیکھا جائے گا، ابھی سے کوئی بات نہیں لکھی جا سکتی ہے، خط وکتابت کے ذریعہ حالات اور کام کی رفتار سے مطلع کرتے رہیں، عزیزی سلمان حسینی ندوی سلمہ سے مشورہ لیتے رہیں، تمام تعلق والوں سے سلام ودعا، والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی ندوی

(۴)

۱۴؍شعبان ۱۴۲۰ھ

محب عزیز ومکرم محمد عیسی منصوری صاحب زادہ اللہ توفیقا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پورے انتظار واشتیاق کی حالت میں آپ کا مکتوب عزیز مورخہ ۱۵؍ نومبر ملا، آپ کی دینی خدمت اور ایک دعوتی واصلاحی کارنامہ کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، خدا کرے مرسل الیہ شخص کتاب کو پڑھ لیں، اور دوسرے لوگوں کی نظر سے گزر جائے، یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ وہ اطلاع صحیح نہیں تھی جس کی وجہ سے کتاب بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔

آپ کے لکھنؤ آنے سے بڑی خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ پھر خیریت کے ساتھ لائے، اور آپ سے دینی دعوت کا کام لیتا رہے، اور آپ کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے، ہمارا دلی شکریہ قبول کیجئے، ہمیں بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۲۳؍نومبر ۱۹۹۹ء

بنام

جناب مسرور احمد صاحب

مسرور صاحب اصلاً لکھنؤ کے رہنے والے ہیں، پیدائش پہلی جولائی ۱۹۳۴ء کی ہے، تقریباً ۱۹۶۱ء سے لندن میں مقیم ہیں، یہاں بغرض تعلیم آئے تھے، پھر یہیں کے ہوکر رہ گئے، شروع ہی سے مشہور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ سے بیعت وارادت کا تعلق قائم کیا، حضرت رائپوری کی ہدایت کے مطابق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا منظور نعمانی صاحب سے استفادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔

۱۹۴۶ء سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق ہے، حضرت مولانا کی صحبت اور کتابوں کے مطالعہ سے دینی ذہن کو تقویت ہوئی، موصوف سے حضرت مولانا کو غیر معمولی تعلق تھا، لندن میں انہیں کے یہاں قیام رہتا تھا، اوران کے ساتھ جس بے تکلفی کا معاملہ فرماتے ویسا کم دیکھنے میں آیا ہے، کسی کی سفارش کرنی ہو یا لندن میں کوئی اور کام ہو تو پورے اعتماد کے ساتھ مسرور صاحب کو یاد کرتے، مسرور صاحب نے حضرت مولانا کی خدمت جس خلوص سے کی ہے اس کا بدلہ ان کے لئے انشاء اللہ آخرت میں محفوظ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

عزیز مسرور سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ بخیر ہوگے، ہم اور محمد رابع الحمدللہ خیر وعافیت کے ساتھ آخن، برلن، میونخ، استنبول، دمشق، کراچی ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے، میونخ میں ایک مشہور ڈاکٹر کو آنکھ دکھائی تھی اس نے ڈرادیا کہ آپریشن غلط ہوا، لیکن ایک دوسرے ڈاکٹر کو دکھا کر اطمینان حاصل ہوا، پھر یہاں ہم بمبئی آکر اس ڈاکٹر کو دکھایا جس نے آپریشن کیا تھا، اس نے بھی اطمینان دلایا، اور دوا دی، کراچی میں تمہارے بھائی سے ملاقات نہیں ہوئی، اور نہ ان کا پتہ ہی معلوم تھا، اس لئے تمہارا ارسال کیا ہوا تحفہ سید جمیل صاحب سابق اکاؤنٹنٹ حکومت پاکستان، گرین ہاؤس، فاطمہ جناح کالونی چھوڑ آئے ہیں، اپنے بھائی کو لکھو کہ جا کر لے لیں، ابھی ہم لکھنؤ نہیں پہنچے ہیں، دہلی تک آگئے ہیں، ان شاء اللہ آج شام کو لکھنؤ جائیں گے، ان شاء اللہ وہاں تمہارے والد اور سب اہل تعلق کو تمہارا سلام پہنچائیں گے۔

وہاں مختار صاحب، عثمان صاحب اور تمام اہل تعلق کو نام بنام سلام پہنچادو، مرتضی اگر ابھی روانہ نہ ہوئے ہوں تو ان کو بھی سلام ودعا، تمام احباب کے نام یہاں نہیں لکھ رہے ہیں، لیکن تم یاد کر کے سب کو سلام پہنچادو، سید منور

صاحب کو علیحدہ سے خط لکھا ہے، محمد رابع تم کو اور سب اہل تعلق کو بہت سلام کہتے ہیں۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۸/نومبر ۱۹۶۴ء

(۲)

۱۸/شعبان ۱۳۸۴ء

برادر عزیز سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے تم خیریت سے ہو، تمہارا خط آئے ہوئے خاصے دن ہو گئے، کچھ تو ادھر مشغولیت بہت رہی، اور کچھ انہیں دنوں گجرات کا ایک دورہ رہا، جس میں دو ہفتے لگ گئے، پھر تمہارے خط میں بہت سی باتیں بڑی تفصیل طلب تھیں، ان کا جواب دینے کے لئے وسیع وقت اور اطمینان چاہئے وہ بالکل عنقا ہے، یہ باتیں تو زبانی کرنے کی ہیں، خدا تم کو خیریت کے ساتھ لائے، یا پھر ہمارا ادھر آنا ہوا تو اطمینان سے گفتگو ہو، البتہ ان لوگوں کے لئے جن کو پیر دھونے میں مشکلات ہیں اور اس کی وجہ سے نماز تک چھوڑ دینے کا اندیشہ ہے موزہ پر مسح کرنے کی گنجائش ہے، ایسے ہوں تو بہتر ہے جن میں پانی پاؤں تک سرایت نہ کر جائے، عام اعلان کے بجائے یہ مسئلہ تم خاص دوستوں کو بتلا سکتے ہو۔

تمہارے والد صاحب کئی مرتبہ آئے وہ تمہارے عقد کے متعلق بہت فکر مند ہیں، ہمارے خیال میں تم اس میں زیادہ ضد سے کام نہ لو، مسئلہ حلال

وحرام کا نہیں ہے، استحباب وافضلیت کا ہے، یہ میں ان کو بھی سمجھاؤں گا، لیکن وہ بزرگ ہیں۔

عزیزی مرتضی ابھی تک نہ آئے تعجب ہے، معلوم نہیں کیوں دیر لگ رہی ہے، ممتاز صاحب کو بہت سلام کہو، اسلامک کلچر والی تقریر یکار یکارڈ اگر تم حاصل کر سکو تو بہت اچھا ہے، اگرچہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، ہماری مختصر نویسی کو معاف کرو، سخت مشغولیت ہے، تمہاری محبت وسعادت کے سب نقشے نظر کے سامنے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کو اپنی خاص برکتوں اور رحمتوں سے نوازے، مولانا منظور صاحب کی کتاب دین وشریعت کا ضرور مطالعہ کرو، اس میں تمہارے بعض سوالوں کا جواب مل جائے گا، ان سب دوستوں کو نام بنام سلام کہو جو اکثر وہاں ہمارے ساتھ ہوتے تھے۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۲۳/دسمبر ۱۹۶۴ء

(۳)

عزیزی مسرور احمد سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا سعادت نامہ آج ملا، بنیاد صاحب خوش خوش اس کو لے کر آئے، اعجاز صاحب کی والدہ نے بڑی دعائیں دیں، اور ان کی جان میں جان آگئی، تم نے بڑی جلدی توجہ کی اور کام مکمل کر لیا، اب اگر اہلیہ اعجاز کو اپنے اس کرایہ کے مکان میں آرام ہے اور کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں تو ان کا منتقل کرنا

کوئی ضروری نہیں ہے، جب ضرورت پیش آئے مدد کے لئے کسی کو بھیج دینے کا انتظام کر دیا جائے، لیکن اگر ان کی بھی رائے ہو اور اس کے بغیر چارہ نہ ہو تو پھر جیسا مناسب سمجھا جائے اور سید صاحب کی جو رائے ہو ویسا کیا جائے۔

مہینہ سے زیادہ ہوا ابراہیم صاحب کے نام اسلامک سنٹر والی تقریر کا انگریزی ترجمہ اور ٹیلس آف پرافیٹس کا ایک نسخہ بھیجا گیا تھا، تقریر کے متعلق خیال تھا کہ وہ طلبہ کے اجتماع سے پہلے اس کو چھپوالیں اور تقسیم کریں اور ٹیلس کا بھی تعارف کرادیں، مگر ان کی طرف سے نہ کوئی خط آیا اور نہ کسی چیز کی رسید، اب تم ان سے مل کر معلوم کرو کہ ان دونوں چیزوں کا کیا حشر ہوا۔

مجلس کی اشاعت اور تعارف کا کام تم بھی کر سکتے ہو، جتنے نسخے لکھو گے بھیج دیئے جائیں گے، اگر کوئی اسلامی انجمن وہاں اس کو چھاپنا چاہے تو اس پر بھی غور کیا جا سکتا ہے، مشرقی لندن کا پتہ لکھو، اور اگر کوئی اردو کا اخبار یا رسالہ نکلتا ہو تو اس کا بھی پتہ لکھو تا کہ تبصرہ یا اشتہار کے لئے ان کو یہ کتاب بھیج دی جائے، تمہارے ذمہ کام بہت ڈال دیا، مگر تمہاری سعادت مندی سے امید ہے کہ اس کو انجام دو گے۔

ہاں تمہیں اس مبارک اور مسنون شادی پر مبارک باد دینا بھول ہی گئے، کلیم اللہ سے اس کی تفصیل معلوم ہوئی اگر چہ وہ شریک نہ ہو سکے، اللہ تعالیٰ ہر طرح مبارک فرمائے اور اپنی رضا اور قرب کا ذریعہ بنائے۔

مولوی ابراہیم صاحب، مختار صاحب، رضی اللہ صاحب، عثمان صاحب، ابراہیم صاحب اور سب دوستوں کو سلام۔

ہاں مولوی عبداللہ صاحب لندن پہنچ گئے ہیں، ممکن ہے تم سے ملے ہوں، ان کا پتہ حسب ذیل ہے، ان سے کہو کہ اپنی خیریت کا خط لکھیں، یہ خط

اگر چہ سیتا پور سے لکھ رہے ہیں لیکن جواب تم لکھنؤ کے پتہ پر دینا، محمد رابع تم کو اور تمہارے جاننے والوں کو سلام پیش کرتے ہیں، یہ خط ہم انھی سے لکھوا رہے ہیں۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۳۰؍جولائی ۱۹۶۵ء

نوٹ: اس خط کے نیچے مولانا عبداللہ عباس ندوی صاحب کا پتہ درج ہے، اور ایک کنارے استاذ محترم مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ نے مسرور صاحب کو شادی کی مبارک باد دیتے ہوئے لکھا ہے: برادرم مسرور صاحب زید لطفہ، السلام علیکم، شادی کی مبارک باد قبول ہو، بالرفاء و البنین، محمد رابع حسنی ۳۱؍جولائی ۱۹۶۵ء۔

(۴)

لکھنؤ

۱۸؍جمادی الاولی ۱۳۸۰ء

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عرصہ ہوا تمہارا خط آیا تھا، حالات معلوم ہوئے، امید ہے کہ تم اعجاز صاحب سے مل لئے ہوگے، اور ان کے گھر کی خیر وخبر لیتے رہتے ہوگے، ابھی تک وہ رسالہ ہمیں نہیں ملا جس میں ہماری اسلامک سنٹر لندن والی تقریر شائع ہوئی ہے، اور نہ اس کا کوئی خاص انتظار ہے، تمہارے والد صاحب ایک دفعہ تشریف لائے تھے، ہم لکھنؤ آگئے ہیں لیکن ابھی احتیاط کی تاکید ہے، شہر میں بھی

زیادہ آنا جانا نہیں ہے، پردہ کے متعلق چونکہ تم نے دریافت کیا ہے، اس کے متعلق اچھا ہے کہ تم مولانا سے براہ راست خط و کتابت کرو، اگر زبانی گفتگو کا موقع ہوتا تو ہم خود تمہیں بتا دیتے کہ شرعی پردہ کیا ہے، اور شریعت کا کہاں تک حکم اور تاکید ہے، نیز یہ کہ شرعی اور رواجی پردہ میں کیا فرق ہے۔

اس خط لکھنے کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ ہمارے ایک کرم فرما دوست اپنی اہلیہ کی خیریت دریافت کرنے کے لئے جو اس وقت کراچی میں ہیں، اور لکھنؤ کے لئے روانہ ہوگئی تھیں، لیکن غالباً ان کو واپس جانا پڑا بہت مضطرب اور پریشان ہیں، ان کا خط لفافہ میں رکھ کر میں تمھیں بھیج رہا ہوں، تم اس کو لندن سے پوسٹ کردو اور اپنا پتہ بھی اس کی پشت پر لکھ دو، بلکہ اس کے ساتھ ایک پرچہ بھی رکھ دو کہ خیریت کی اطلاع اور اس خط کا جواب مجھے اس پتہ پر لندن بھیجئے، میں انشاء اللہ اس کو لکھنؤ روانہ کردوں گا، مقصد صرف اتنا ہے کہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کی اہلیہ لاہور سے واپس ہو کر کراچی باخیریت پہنچ گئیں، اور وہیں ان کے بھائی کے پاس ہیں، جس وقت ان کا خط تم کو لندن ملے فوراً ہمارے پتہ پر لکھنؤ بھیج دو۔

سید صاحب کی خدمت میں بہت بہت سلام، امید ہے کہ ٹیلس آف دی پرافیٹس کی طباعت کا کام جلد شروع ہو جائے گا، مولوی عبداللہ صاحب تو لیڈس چلے گئے ہوں گے، معلوم نہیں ان کا لندن آنے کا پروگرام رہتا ہے یا نہیں؟

والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۱۵ر ستمبر ۱۹۶۵ء

(۵)

رائے بریلی

۱۳؍صفر ۱۳۸۶ھ

عزیز مکرم زید لطفہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا تھا جس پر تاریخ کہیں درج نہیں، لیکن وہ یقیناً وسط اپریل یا اخیر اپریل کا لکھا ہوا ہے، اس لئے کہ وہ مجھے لکھنؤ میں مل گیا تھا، اور میں مئی کے پہلے ہفتہ میں رائے بریلی آیا ہوں، آپ نے اس مرتبہ خط اتنی تاخیر سے لکھا کہ آپ پر جرمانہ واجب ہوگیا، یہاں بیٹھے بیٹھے یہی جرمانہ کرسکتا ہوں کہ میں خود بھی بہت تاخیر سے جواب دوں، چناچہ اب حساب بے باق ہوگیا، آپ نے بھی بہت دیر میں لکھا، میں بھی بہت دیر میں جواب دے رہا ہوں۔

خیر یہ تو مذاق تھا، میں ان دنوں بے حد مصروف رہا، پھر دوسروں سے لکھوانے کی محتاجی بھی ہے، بعض مرتبہ آٹھ آٹھ دس دس دن کوئی لکھنے والا نہیں ملتا، آپ کے خط سے آپ کے اور دلچسپی کے بہت سے حالات معلوم ہوئے، ورنہ اس طرف سے بالکل بے خبری تھی، اس سے خوشی ہوئی کہ اب آپ وہاں متاہل زندگی گزار رہے ہیں، وہاں کے لئے بھی مناسب ہے، پردہ کے متعلق آپ نے جو رویہ اختیار کیا ہے میرے نزدیک وہ مناسب ہے، لیکن اس میں مزید وسعت نہ پیدا کی جائے، بلکہ کچھ مزید احتیاط، نہ یہ چیز عام تبلیغ واشاعت کی ہے، ورنہ حدود قائم رہنا مشکل ہے، آپ کے فلیٹ لینے اور گھر والوں کے ساتھ رہنے سے ہم کو بھی لالچ پیدا ہوئی کہ اگر اس زمانہ میں آنا ہوتا تو بڑا آرام ملتا، آپ ہی کیا کم مزیدار کھانا پکاتے تھے اور آرام پہنچانے کی کوشش کرتے تھے

کہ اب آپ کا گھر بھی ہو گیا، لیکن اب صحت کی موجودہ حالت میں ادھر آنے کی بہت کم امید رہ گئی ہے، یوں خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

تبلیغی کام کی ترقی سے خوشی ہوئی، لیکن مزید تنظیم اور بہتر رہنمائی کی ضرورت ہے، لیکن ہم اس کام کے بالکل اہل نہیں، خدا کوئی اور بہتر سامان کرے، اس سال تو ہم رابطہ کے جلسہ میں بھی نہ جا سکے، اس مرتبہ رجب میں جلسہ ہوگا، جی چاہتا ہے کہ ایک مرتبہ درمیان سال میں حاضری دی جائے کبھی اس کا موقع اگر اللہ کو منظور ہے تو یہ سعادت بھی حاصل ہو جائے گی۔ ع

زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

امید ہے کہ مولانا منظور صاحب اس فقہی مسلہ کا جواب دیں۔ ایسے مسائل میں انہیں سے رجوع کریں، مسلمانوں کے اندر سے اتفاق وتعاون کی صلاحیت عرصہ سے جا چکی ہے، اب اس کا رونا کہاں تک رویا جائے۔

آج کل مولوی عبداللہ صاحب لیڈس میں ہیں، کبھی ملاقات ہوتی ہے کہ نہیں، ان کا پتہ یہ ہے۔

مختار صاحب کا خط حال میں آیا، دوسری طرف ان کو لکھ رہے ہیں، تکلیف کر کے ان کو پہنچا دیجئے گا، محترمی سید منور حسین صاحب، حافظ ابراہیم صاحب اور واقفین حال کی خدمت میں سلام۔

مختار صاحب کا خط اگر جلد پہنچ جائے تو بہتر ہے، والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۳/ جون ۱۹۶۶ء

(۶)

رائے بریلی

۲۹؍ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

عزیز القدر مسرور سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ تم اور سب احباب باخیریت ہوگے، تم سے رخصت ہوکر بہت آرام کے ساتھ عصر کی نماز کے وقت بیروت پہنچے، جن کو تار سے اطلاع دی تھی وہ سب آگئے تھے، بیروت کے قریب ایک پہاڑی پر جو نہایت خوش منظر اور صحت افزا مقام ہے دو روز قیام رہا، یہ دو دن سخت مشغولیت میں گزرے، اس لئے کہ مختلف ممالک کے احباب یہاں بہت ہیں، جمعہ کے دن ۱۱؍جولائی کو شب میں ۱۰ بجے ایرانڈیا سے روانہ ہوئے، اور بحمد اللہ ساڑھے چھ بجے صبح بمبئی پہنچ گئے، احباب ہوائی اڈہ پر موجود تھے، قیام گاہ پر پہنچ کر رائے بریلی کا تار ملا کہ شادی کی تاریخ ۱۴؍جولائی مقرر ہو چکی ہے، پہلے جہاز سے پہنچو، غرض ۱۳؍کو لکھنؤ، اور ۱۴؍کو رائے بریلی پہنچ گئے، لکھنؤ صرف ایک شب قیام رہا، اس لئے تمہارے والد صاحب سے ملنا نہ ہوسکا، بھائی فضل اللہ صاحب کے ذریعہ تمہاری خیریت مفصل کہلوادی، اب انشاء اللہ جب لکھنؤ جاؤں گا، تو گھر پر جاکر مفصل حالات سناؤں گا، تاکہ تمہاری والدہ صاحبہ بھی سن لیں۔

تمہارے گھر پر جو راحت ملی، اور تم نے جس سعادت مندی، اور اخوت کا مظاہرہ کیا اس کا شکریہ ادا کرکے ہم اس کی ناقدری کرنا نہیں چاہتے، اللہ تعالیٰ تمہیں دینی و دنیوی ترقیات و برکات سے نوازے، اور اپنی رضا کی دولت عطا فرمائے، البتہ سعدیہ سلمہا کو نہ دیکھنے کا افسوس رہا، اب وہ لوگ آئیں گے تو ہم

یہاں بیٹھے ہوں گے اللہ تعالیٰ سب کی حفاظت فرمائے، ابھی تک سفر کا نہ تکان دور ہوا نہ نیند پوری ہوئی، آرام کا موقع نہ مل سکا، اس لئے ابھی چند دن رائے بریلی میں رہنے کا ارادہ ہے۔

عزیزی مولوی عبداللہ ندوی سلمہ لندن میں ہوں تو یہ خط دکھا دو، ضیاء طہ اور سب اعزہ واحباب با خیریت ہیں، یہاں اکثر حبس رہتی ہے اور گرمی سخت، لندن میں بھی شکایت کرتے رہے، اور یہاں بھی شکایت کرتے ہیں، "خلق الانسان جزوعا" مولوی عبداللہ صاحب کو خط لکھنے کی تاکید کردیں، مولوی یعقوب صاحب کا وی اور فکرمند احباب کو ٹیلی فون کے ذریعہ خیریت سے پہنچنے کی اطلاع کردیں، امید ہے کہ ہماری ڈاک بھیج دی ہوگی۔

امید ہے کہ کبھی کبھی خود بھی خط لکھو گے، والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۱۶/ جولائی ۱۹۶۹ء

(۷)

رائے بریلی

۱۶/ مئی ۱۹۷۰ء

عزیز گرامی سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسرت نامہ مورخہ یکم مئی وقت پر مل گیا تھا، لیکن بعض مجبوریاں ایسی پیش آئیں کہ جلد جواب نہ لکھ سکا، اپریل کی آخری تاریخ میں سہارنپور گیا تھا،

وہاں اچانک سید منور حسین صاحب سے ملاقات ہوئی، میں نے ان کو رائے بریلی کی دعوت دی، وہ باوجود اس کے کہ گرمی سے سخت پریشان تھے میرے ساتھ لکھنؤ اور رائے بریلی بھی آئے، اتفاقاً آپ کے والد صاحب مجھ سے ملنے آئے تھے، سید صاحب سے بھی ملاقات ہوگئی، اور دونوں خوش ہوئے، سید صاحب دو روز لکھنؤ رہ کر دہلی گئے، آگے کا پروگرام معلوم نہیں، آپ کا بھی ذکر خیر رہا اور وہ مسرور ہوئے۔

فاران کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس کی خدمت باعث سعادت تھی، لیکن میں لکھنے پڑھنے سے معذور ہونے کی وجہ سے خود اپنے یہاں کے رسائل ''تعمیر حیات''، ''ندائے ملت'' اور عربی کے دونوں پرچوں ''البعث'' اور ''الرائد'' کی بھی مطلق دیکھ بھال نہیں کرسکتا، بلکہ اشاعت کے بعد بھی پورا نہیں پڑھ سکتا، کہیں کہیں سے پڑھوا کر سن لیتا ہوں، ایسی حالت میں سات سمندر پار سے فاران میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں، آپ اگر اس ذمہ داری کو قبول کریں تو وہیں کسی سے مدد لیں، ''کشتی در فرنگ و ملاحم در چین'' سے کام نہیں چلے گا، اور برائے نام سرپرستی سے کچھ نہیں ہوتا، اور ایسی معذوری کی حالت میں یہ مناسب بھی نہیں۔

بہر حال جو کچھ کیجئے اپنی صلاحیتوں اور مسائل پر نظر کر کے کیجئے، کسی دوسرے کے اعتماد پر نہ کیجئے۔ امید ہے کہ افتخار جنگ صاحب بھی پہنچ گئے ہوں گے ان سے قیمتی مدد حاصل ہوگی۔

دوا کے لئے اللہ نے ایک موکل مسخر فرمادیا ہے جو ایڈمبرا سے تقریباً ہر تین مہینے کے بعد پارسل کر دیتا ہے، یہ بمبئی کے بعض مخلص احباب کا انتظام ہے آپ تردد نہ کریں، اگر کبھی ضروری ہی ہوا تو تکلیف دی جائے گی۔

سعدیہ اور ام سعدیہ کو بہت بہت دعا وسلام، یہاں سخت ترین گرمی پڑ رہی ہے، منور حسین صاحب کا اصرار تھا کہ میں ان کے ساتھ لندن چلوں، اور گرمی کے دن نکل جائیں، میں نے کہا کہ میں ایسے شارٹ نوٹس پر نہیں چل سکتا، پھر جہاں ہمارے سب اعزہ اور پورا مدرسہ وہیں ہم بھی، بے چارے بہت خواہش مند تھے، اور بار بار کہا، لیکن میں تیار نہ ہوسکا۔

مولوی معین اللہ صاحب مدینہ میں ہیں، اور شاید ابھی رہیں، آپ کے والد صاحب الحمدللہ باخیریت ہیں، والسلام

دعا گو
ابوالحسن علی

(۸)

لکھنؤ

۲۸ رجمادی الاولی ۱۳۹۱ھ
برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسرت نامہ مورخہ ۲۹ رجون وقت پر مل گیا تھا، لیکن ان دنوں کچھ ایسی پریشانیاں رہیں کہ غیر ملکی خطوط سب پڑے رہے، آج مہینہ مہینہ بھر ڈیڑھ ڈیڑھ مہینے پہلے کے خطوط کا جواب لکھوانے بیٹھا ہوں، آپ سے بھی نادم ہوں، جواب میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔

آپ نے صحیح لکھا کہ اقصی کانفرنس میں شرکت سے میں نے معذرت کر دی، دراصل میری صحت اب طویل سفر کے قابل نہیں رہی، ٹنشن اب بہت جلد

جلد ہونے لگا ہے، محنت اور خلاف عادت کام اب بہت مشکل ہو گئے ہیں، مولوی یعقوب کاوی صاحب کا بھی خط آیا تھا، ان کو بھی میں نے اس کی اطلاع دے دی تھی۔

مجھے خود افسوس ہے کہ میں فاران کے سلسلہ میں آپ کی کچھ مدد نہیں کر رہا ہوں، لکھنے پڑھنے سے بالکل معذور ہو گیا ہوں، آپ میرے جو مضامین اردو رسائل میں دیکھتے ہیں وہ میری قدیم عربی تقریر و مضامین کے ترجمے ہوتے ہیں، یا کوئی تقریر جو مجھے کہیں کرنی پڑ جاتی ہے، مستقل مضمون لکھوانے کی نوبت تو شاید برسوں میں ہوتی ہے، آپ میرے بجائے مولوی معین اللہ صاحب کو کبھی کبھی یاد دلا دیا کریں، میری کوئی چیز کبھی بھیج دیں گے، یوں اگر آپ ''ارکان اربعہ'' کے کچھ حصے کبھی کبھی شائع کر دیا کریں، تو مفید ہوگا، مگر یہ کتاب خود آپ نے ابھی نہیں پڑھی ہوگی، اس کی حسرت ہی رہی کہ ہمارے کوئی تبلیغی عزیز انگلستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں ہماری ان کتابوں کا تعارف کراتے جن کا مطالعہ وہاں کے حالات میں مفید ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ مجبور ہو کر اپنی یہ پیاس دوسروں کے لٹریچر سے بجھاتے ہیں، اور بہت سے تبلیغی دوستوں کو یہ ناگوار ہوتا ہے، مگر فطری تقاضے کو کوئی روک نہیں سکتا، وہ اپنی تکمیل کہیں نہ کہیں سے کرے گا، مگر ہمارے نہایت عزیز اور قابل قدر دوستوں نے ابھی تک اس مسئلہ کو قابل توجہ نہیں سمجھا۔

آپ نے عزیزہ سعدیہ کا حال نہیں لکھا، وہ اور ان کی والدہ آجکل کہاں ہیں، آپ کے والد صاحب کہتے تھے کہ آپ نے مکان تبدیل کر دیا ہے، خدا کرے وہ ہر طرح سے مبارک ثابت ہو، اللہ تعالیٰ ہر طرح سے آپ کا مددگار اور معین ہو، آپ کے گھر میں ہم کو جو آسائش ملی، اور آپ نے جو ہمارے ساتھ

عزیزانہ اور برادرانہ سلوک کیا وہ دل پر نقش ہے، اللہ تعالیٰ اس کا آپ کو آخرت میں جزا عطا فرمائے، اور زیادہ کیا لکھوں۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۲۲/ جولائی ۱۹۷۱ء

(۹)

تکیہ کلاں رائے بریلی

بردار عزیز مسرور احمد سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط مورخہ ۱۴/ اکتوبر پیش نظر ہے، اس کے جواب میں تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ میں آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں سیتاپور گیا تھا جہاں ڈیڑھ ہفتہ قیام رہا، اب رائے بریلی میں ہوں اور الحمدللہ باخیر ہوں، محمد رابع سے خط لکھوا رہا ہوں۔

تمہاری فرمائش کے بموجب اپنی کتابوں کا اشتہار خورشید بکڈپو کو بھجوا دیا ہے، امید ہے کہ انہوں نے کتابت وغیرہ کے فرائض انجام دلوا دیئے ہوں گے، رہا وہاں مکتبہ قائم کرنے کا مسئلہ تو یہ نہایت ضروری کام تھا اور ہے، تم لوگ ماشاء اللہ پڑھے لکھے ہوتے ہوئے اس قدر تاخیر سے اس کی ضرورت کو محسوس کر سکے، حالانکہ تعلیم یافتہ طبقہ میں کام کرنے کے لئے کتابوں کا فراہم کرنا کلیدی اہمیت رکھتا ہے، تم ہی لوگ شکایت کرتے ہو کہ دوسرے لوگوں کی کتابیں پھیل رہی ہیں،...... تمہارے حلقہ میں الحمدللہ خاصی ضرورت کو پورا کرنے والی کتابیں

موجود ہیں، لیکن ان کو پڑھنے والوں میں متعارف کرانے والے اوران کا حلقہ وسیع کرنے والے بہت کم ہیں، مجلس تحقیقات اسلام نے بھی خاصا لٹریچر شائع کیا ہے، انگریزی، اردو دونوں زبانوں میں متعدد وقیع کتابیں آچکی ہیں، تم نے فہرست دیکھی ہوگی، بہر حال اب سہی، اس کام کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اس سے دینی مقصد کو سب سے زیادہ مدد ملنے کی توقع ہے، وہاں ایک مناسب مکتبہ قائم کرو جس میں مجلس کی کتابیں اور وہ کتابیں جو تمہارے حلقہ کی ہیں رکھو، عام مطالعہ کے لئے بھی اور فروخت کے لئے بھی، اس سلسلہ میں مجلس تحقیقات کا جو تعاون قابل عمل ہوگا وہ کرے گی، فی الحال ہماری کتابوں کا ایک ایک نسخہ جو مجلس کے پاس تھیں بحری ڈاک سے اور رجسٹرڈ روانہ کر دی ہیں، ان میں ارکان اربعہ بھی ہے۔

ہمارے یورپ آنے کے بارے میں تم نے دریافت کیا ہے، فی الحال کوئی پروگرام نہیں ہے، اس سال رابطہ کے جلسہ میں بھی نہیں جانا ہوا، وہاں اگر جانا ہوتا تو ممکن ہے کہ یورپ کے سفر کا ایک پروگرام بن جاتا، سیلابوں اور آنکھ کی تکلیف کے سبب رابطہ کے لئے سفر نہ ہو سکا۔

تمہارے والد صاحب لکھنؤ میں ملے تھے، الحمد للہ بخیر ہیں، ہم نے رائے بریلی آنے کی دعوت دی ہے، امید ہے کہ تم مع اہل وعیال بخیر ہوگے، سعدیہ سلمہا اور ان کی والدہ کو دعا، محمد رابع سلام کہتے ہیں۔

والسلام

ابوالحسن علی

۲۱رمضان ۱۳۹۱ھ، ۱۱/۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء

(۱۰)

بمبئی

۱۷؍مارچ ۱۹۷۶ء

عزیز گرامی سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ۷؍مارچ کا لکھا ہوا خط رائے بریلی کے پتہ پر بہت جلد مل گیا، مجھے کئی بار اس کا احساس ہوا کہ میں آپ کو آپ کی والدہ مرحومہ کی تعزیت کا خط نہیں لکھ سکا، مجھے اس کی اطلاع بہت دیر میں ہوئی تھی، آپ کے والد صاحب کے پاس تو گیا تھا مگر آپ کو خط نہیں لکھا، اس عرصہ میں کئی ماہ بیماریوں اور پریشانیوں میں گزرے، خود بھی نقرس کی تکلیف میں مبتلا رہا اور ۱۸؍جنوری کو میری ہمشیرہ محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مدیرہ ''رضوان'' کا انتقال ہوگیا۔

میں نے آپ کا خط مولوی غیاث صاحب کو دکھایا، آپ نے جن لوگوں کے حوالے دیئے ہیں، ان میں بعض کو آپ کے خط نہیں ملے، اور کچھ خطوط آپ کو نہیں پہنچے پھر بھی مجلس میں عملہ کی کمی اور کام کی زیادتی کی وجہ سے آپ کی فرمائشوں کی تعمیل میں اگر کوتاہی ہوئی ہو تو کچھ بعید نہیں، میں نے ان کو بہت تاکید کردی ہے کہ وہ آپ کی فرمائشوں کی تعمیل مستعدی سے کیا کریں۔

لندن میں دو تقریبیں منعقد ہو رہی ہیں، ایک اسلامک فیسٹیول کے نام سے اور عرصہ ہوا میں اس میں شرکت سے معذرت کر چکا ہوں، اس لئے کہ اس کے کرنے والے لوگ کچھ زیادہ ذمہ دار نہیں ہیں، اور ان کے متعلق مختلف شکوک کا اظہار کیا گیا ہے، انہوں نے میرے نام کا بار بار اعلان کر کے اس سے فائدہ اٹھایا ہے، البتہ اسلامی کانفرنس جو کچھ عرب طلباء اور بعض دوسرے مسلمان اہل قلم

کررہے ہیں ان کی دعوت میں نے منظور کر لی ہے، مجھے خود عرصہ سے لندن آنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی تا کہ اپنی آنکھ کے سلسلہ میں طبی مشورہ حاصل کروں، اس لئے میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا، اس دوران میں جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کی انتظامی کمیٹی کا دعوت نامہ موصول ہوا، جو ۷ار مارچ سے اپنا کام شروع کرے گی، میں اس سلسلہ میں بمبئی آیا ہوا ہوں، اور آج انشاءاللہ شام کی فلائٹ سے جدہ روانہ ہو جاؤں گا، وہاں آخر ماہ مارچ تک مدینہ طیبہ میں انشاءاللہ قیام رہے گا، پھر اگر کوئی خاص مانع پیش نہ آیا تو لندن کی تیاری کروں گا، اور آپ کو اطلاع دینے کی کوشش کروں گا، آپ کا پتہ میں نے محفوظ کر لیا ہے، قیام کے بارے میں بھی اگر کوئی خاص مصلحت نہ ہوئی تو آپ ہی کے پاس ٹھہروں گا بشرطیکہ آپ کو خود کوئی دقت پیش نہ آئے۔

چلتے وقت مولانا منظور صاحب نے مجھ سے بڑی تاکید سے کہہ دیا تھا کہ انھوں نے آپ کو ایک ضروری خط لکھا تھا، اس کا جواب ان کو ابھی تک نہیں ملا، عزیزی مولوی عتیق صاحب سلمہ کی جیسی صحت انگلستان میں تھی ویسی صحت وہاں سے آنے کے بعد نہیں رہی اور ادھر لکھنؤ میں تو پھر ان کی حالت قریب قریب وہی ہو گئی ہے جو انگلستان جانے سے پہلے تھی، اس لئے مولانا کی رائے ہے کہ وہ پھر کچھ عرصہ وہاں قیام کریں، مولانا کا یہ پیغام آپ تک پہنچانا ضروری تھا، تا کہ اس کی روشنی میں آپ کوئی کارروائی کر سکیں، آپ مولانا کو فوراً خط لکھ کر اس سلسلہ میں اپنی رائے سے مطلع کریں۔

آپ کا خط مولوی اسحاق جلیس صاحب کو بھی بتا دیا، وہ فاران کے سلسلہ میں علمی تعاون نہ کر سکنے کے کچھ اسباب بیان کر رہے تھے، وہ بہت زیادہ مشغول ہیں، کئی کئی ذمہ داریاں ان کے سر ہیں، میرے خیال میں آپ کو سب

زیادہ مدد مولوی عتیق صاحب سے مل سکتی ہے۔

اس سفر میں عزیزی مولوی محمد رابع سلمہ میرے رفیق ہیں، اور انشاء اللہ میں وہاں آیا تو وہ میرے ساتھ ہوں گے، عزیزہ سعدیہ سلمہا کو بہت بہت دعا، اس کی والدہ کو بھی دعا و سلام، افسوس ہے کہ میں اپنی نقرس کی تکلیف کی وجہ سے جو ابھی تک قائم ہے آپ کے والد صاحب سے بھی مل کر نہ آسکا، ممکن ہے کہ وہ کوئی خط دیتے، باقی انشاء اللہ عند الملاقات۔

محمد رابع سلام کہتے ہیں۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

(۱۱)

لکھنؤ

عزیز گرامی مسرور صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ مع سعدیہ سلمہا اور متعلقین بخیر و عافیت ہوں گے، آپ نے تو خط لکھنا بالکل چھوڑ دیا ہے، یا تو لندن سے ٹرنکال کرتے تھے اور آنے کے لئے اصرار، یا معمولی خط بھی نہیں لکھ سکتے، بہر حال ہم آپ کو بھولے نہیں ہیں، اس وقت اس ضرورت سے یہ خط لکھ رہے ہیں کہ تم شاید چک منڈی کے حاجی غلام زین العابدین، غلام اشرف غلام حسنین و سب بھائیوں سے واقف ہو، یہ حضرات مولانا عبدالشکور صاحب کے خاص لوگوں میں تھے، اب حاجی غلام اشرف صاحب کے صاحبزادہ معین الدین صاحب مع اپنے چچا اور خسر حاجی

غلام حسنین صاحب کے لندن آرہے ہیں، ان کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا، اور بمبئی اور لکھنؤ کے معالجین قلب نے لندن جانے اور آپریشن کرانے کا مشورہ دیا، آپ سمجھتے ہیں کہ مریض جب دوسرے ملک علاج کے لئے جاتا ہے تو اس کے کیا احساسات ہوتے ہیں، اور اس کی نفسیاتی کیفیت کیا ہوتی ہے، ان کی خواہش ہوئی کہ ہم اپنے کسی خاص جاننے والے کے نام کوئی تعارفی خط لکھ دیں، ملا کی دوڑ مسجد تک، ہمیں مسرور یاد آئے، آپ کے علاوہ اگر کوئی ہمارا خاص تعلق کا آدمی ہو تو اس کو بھی یہ خط دکھا دیں، اور جو کچھ بھی آپ ان حضرات کی مدد کرسکیں کمی نہ کریں، حاجی غلام اشرف صاحب کا تعلق ہم لوگوں سے بہت بڑھ گیا ہے، اور بہت تعلق فرماتے ہیں، اس وقت لندن میں کسی اور کا نام یاد نہیں آرہا ہے اس لئے اب آپ ہی کو کرنا ہے، امید ہے کہ اتنا لکھنے کو کافی سمجھیں گے۔ والسلام

مخلص

ابوالحسن علی

۲۹ / جنوری ۱۹۸۰ء

(۱۲)

تکیہ کلاں رائے بریلی

۲۷ / رمضان المبارک ۱۴۰۳ء جولائی ۱۹۸۳ء

عزیز مکرم مسرور میاں سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ تم مع متعلقین باخیر وعافیت ہوگے، تمہیں تعجب ہو رہا ہوگا کہ آج مولانا نے کیسے یاد کیا، تمہیں خوشی ہوگی کہ ہم ۲۱ / جولائی کو پان امیریکن

جہاز سے جو فرانکفرٹ سے دن کے بارہ بجے روانہ ہوتا ہے انشاء اللہ لندن پہنچیں گے، آنے کی تقریب یہ ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی کوئی اسلامک سنٹر کھول رہی ہے، اس کے افتتاح کے لئے پروفیسر برانگ نے جو غالباً وائس چانسلر ہیں ہمیں مدعو کیا ہے، ہم نے اس خیال سے کہ ہمیں برطانوی دانشوروں اور یونیورسٹی کے اساتذہ اور تحقیقی کام کرنے والوں سے کچھ کہنے کا موقع مل جائے گا اس کو توکلاً علی اللہ قبول کرلیا ہے شاید اس موقع پر اللہ تعالیٰ کوئی کام کی بات کہلوادے، صحت کمزور ہے اور مصروفیت بہت زیادہ، لیکن اس لالچ میں قبول کرلیا ہے، خدا کرے تم سے ملاقات لندن ایرپورٹ پر ہو جائے، اس کا امکان ہے کہ اسی دن آکسفورڈ جانا ہو، مولوی نعیم اختر ندوی اور مولوی عتیق صاحب کو بھی ہمارے سفر کی اطلاع کردینا، ہمارا قیام انگلستان میں مختصر رہے گا، غالباً دس روز، وہاں کا پروگرام وہاں پہنچ کر بنے گا، ابھی کہیں کا وعدہ اور پابندی نہیں ہے، زیادہ پروگرام موں کا ہمیں تحمل بھی نہیں ہوگا، رمضان المبارک میں تین چار مرتبہ نقرس کا حملہ ہوا کمزوری بھی بہت ہے، رابع سلمہ سفر میں ساتھ ہوں گے، گھر میں سلام ودعا کہہ دینا۔

والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

(۱۳)

رائے بریلی

عزیز القدر مسرور سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

الحمد للہ تم سے رخصت ہو کر یکم اگست کو ۵ بجے صبح کے قریب دہلی ہوائی

اڈہ پر پہنچے، جہاز نو گھنٹے لیٹ ہو گیا، دہلی ہوائی اڈہ پر پہنچتے ہی محسوس ہوا کہ داہنے گھٹنے میں درد ہے، معلوم ہوا کہ نقرس کا حملہ ہو گیا، تکلیف کے احساس سے زیادہ اس کی خوشی ہوئی کہ سفر میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی، ورنہ بڑی دقت پیش آتی، دوا کا استعمال شروع کر دیا، اور کسی طرح اگلے دن لکھنؤ پہنچ گیا، الحمد للہ سب کو با خیریت پایا، رابع سلمہ بھی بالکل خیریت سے ہیں، تم برابر یاد آتے ہو، تم نے وہ معاملہ کیا جو کوئی چھوٹا بھائی یا عزیز ترین فرد خاندان کرتا، اللہ تعالیٰ تمہیں دینی و دنیاوی ترقیات سے نوازے، تمھارا معاملہ شکر سے بالاتر ہے، اتفاق سے انڈین میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کے ایک بڑے ڈاکٹر ملنے آئے، ان کو جب معلوم ہوا کہ رائلوریک لندن میں نہیں مل سکی تو اسی وقت گئے اور لے آئے، پھر بھی اگر کوئی آنے والا ہو تو تھوڑی سی بھیج دینا، تمہارے بچہ کو نہ دیکھنے کا افسوس رہا، ہم خود نہ کہہ سکے کہ شاید تم کو کچھ حجاب ہے ہم انشاء اللہ اس کے لئے دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ میں سب قدرت ہے، گھر میں خدمت و میزبانی کا شکریہ ادا کرو، اور سلام پہنچا دو۔

فرحان نظامی صاحب کا پتہ ہمارے پاس نہیں ہے، ان سے رابطہ قائم ہو سکے تو ہمارا سلام پہنچانا اور بخیریت پہنچنے کی اطلاع دینا، مضمون تینوں زبانوں میں چھپ رہا ہے، طباعت کے بعد تم کو بھیجا جائے گا۔

عزیزی مولوی نعیم اختر کو بہت بہت سلام، اسماعیل باوا کو سلام، اور ان کے تحائف کا شکریہ، اور ان سے آخر میں نہ ملنے کا افسوس۔

دعا گو

ابوالحسن علی

۱۷ر گست ۱۹۸۳ء

(۱۴)

عزیز القدر مسرور میاں سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

لندن سے آنے کے بعد ہی چند دن کے اندر تم کو خط لکھا تھا جس میں اپنے بخیریت پہنچنے کی اطلاع اور تمہارے یہاں کے خوشگوار تأثرات تھے، لیکن تمہارا کوئی خط اس کے جواب میں نہیں آیا، خدا کرے ہمارا خط مل گیا ہو، نیاز صاحب کے ذریعہ البتہ ٹیلیفون سے معلوم ہو گیا تھا کہ تم نے دوائیں فرحان نظامی صاحب کے ہاتھ بھیجی ہیں، فرحان صاحب آگئے ہیں، ٹیلی فون سے اطلاع ملی، ابھی لکھنؤ نہیں پہنچے، شاید دو چار دن میں آتے ہوں۔

اس وقت یہ خط اس شدید ضرورت سے لکھ رہے ہیں کہ امپیکٹ کے ایڈیٹر صدیقی صاحب یا فاروقی صاحب تمہارے یہاں آئے تھے، اور ہم سے ایک لمبا انٹرویو لیا تھا، اس میں کئی باتیں نازک تھیں، اور ہمیں اطمینان نہیں تھا کہ وہ اسی اسپرٹ میں لکھی جاسکیں گی جس اسپرٹ میں ہم نے کہی تھیں، ہم نے ان سے درخواست کی تھی کہ رکارڈر سے انٹرویو قلم بند کرنے کے بعد وہ ہمارے پاس بھیج دیں، ہم اس پر ایک نظر ڈال لیں گے اور اگر ضرورت ہوئی تو کچھ لفظی ترمیم کردیں گے، انہوں نے اس کا پرزور وعدہ کیا تھا لیکن ابھی تک کوئی چیز نہیں آئی، ہمیں اندیشہ ہے کہیں دکھائے بغیر شائع نہ کردیں اور اس سے غلط فہمیاں پیدا ہوں اور ہماری پوزیشن خراب ہو، تم فوراً ٹیلیفون پر ان سے رابطہ قائم کرو اور اگر ضرورت ہو تو ان کے دفتر چلے جاؤ اور کہو کہ مولانا کو اس کی کاپی کی ضرورت ہے، آپ نے ذمہ داری کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ بغیر دکھائے چھاپیں گے نہیں، امید ہے کہ آپ اپنا وعدہ پورا کریں گے، جب تک ان تک یہ بات نہ پہنچ جائے تم

برابر کوشش کرتے رہنا، گفتگو کا جو نتیجہ نکلے اس کی ہمیں اطلاع دینا، یہ بہت ضروری بات ہے، امید ہے تم فوری توجہ کرو گے۔

اسلام اور مغرب کا کتابچہ پہنچے تو مناسب لوگوں تک پہنچا دینا، عزیزی مولوی نعیم اختر کو بہت بہت سلام، رابع بھی اچھے ہیں، والسلام

مخلص

ابوالحسن علی

۲ر ستمبر ۱۹۸۳ء

(۱۵)

۲۱ر اکتوبر ۱۹۸۰ء

عزیز القدر مسرور میاں سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

الحمد للہ تم سے رخصت ہو کر ہم لوگ ساڑھے چار بجے صبح کو بخیریت دہلی پہنچے، اور اسی دن شب میں لکھنؤ کے لئے روانہ ہو گئے، چند گھنٹے ٹھہر کر رائے بریلی آ گئے، یہاں سیلاب کی وجہ سے ساری بستی اور خاندان قریب کے گاؤں میں منتقل ہو چکا تھا، ابھی تک ہم لوگ وہیں مقیم ہیں۔

لندن کے مختصر قیام میں اور لکسمبرگ کے سفر میں تم نے جس سعادت ومحبت کا اظہار کیا اس کا شکریہ اجنبیت کو ظاہر کرتا ہے، تم سے اسی کی توقع تھی اور انشاء اللہ رہے گی، گھر میں بھی شکریہ اور دعا کہہ دو، اللہ تعالیٰ پھر خیریت کے ساتھ ملائے، اہل تعلق کو بھی خیریت کی اطلاع کر دو، خاص طور پر مولوی محمد انس ندوی کو جن کی سعادت سے دل بہت خوش ہوا، انہوں نے جو سوالات پیش کئے تھے اور

ان کے جوابات کو ریکارڈ کرنے کے لئے کیسٹ لائے تھے وہ غالبًا وہیں رہ گئے، تمہاری نظر پڑی ہوگی، ہم نے یہاں بہت تلاش کیا نہیں ملے، وہ اپنے مرکز کے ذمہ دار صاحب سے عرض کر دیں کہ ان کے جوابات ضرور لکھوا دیئے جائیں گے۔ اس وقت اسی پر اکتفا کرتے ہیں، ایک عزیز لکھنؤ جا رہے ہیں وہ وہاں خط پوسٹ کر دیں گے، یہاں شہر بھی آنا جانا مشکل ہے، رابع سلمہ بھی خیریت سے ہیں، شاید الگ خط لکھیں، گھر میں بھی اب کچھ آرام ہے۔

والسلام
مخلص
ابوالحسن علی ندوی

(۱۶)

لکھنؤ

عزیز القدر مسرور میاں سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے تم پہلے سے بہتر ہو، ہمیں شرمندگی ہے کہ لندن سے آنے کے بعد ہم تمہیں فوراً خط نہ لکھ سکے، خیال ہوا کہ خط تو کئی دن میں پہنچے گا، اور تمہیں بیماری وکمزوری ہے جواب بھی دینا پڑے گا، ٹیلی فون سے خیریت معلوم کرتے رہے، اللہ تعالی عزیزی نیاز کو خوش رکھے کہ وہ تم سے معلوم کر کے ہم کو حال بتاتے رہے، پھر ۲۷ر ستمبر کو دہلی میں بھائی کرامت صاحب کے مکان پر شام کو تم سے براہ راست گفتگو ہوئی، اور جیسی ہماری خواہش تھی ڈاکٹر اشتیاق صاحب سے بھی تمہاری بات ہوگئی، تمہاری طرف سے ہم دونوں کو بہت فکر ہے، اور اکثر ہم اور

رابع سلمہ مجلسوں میں اس کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، ہماری خواہش تو یہ تھی کہ تم پاکستان یا ہندوستان آ کر یہاں یونانی اور ہومیوپیتھک علاج کر لیتے، لیکن تمہارے سفر میں ایسی مشکلات ہیں کہ تمہیں نہ سب کو چھوڑ کر آنا آسان، نہ لے کر سفر کرنا، بس اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں صحت وعافیت عطا فرما کر اس کفرستان میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے سلامت رکھے، افسوس ہے کہ اتنی دور سے ہم دعا کے سوا تمہاری کوئی خدمت نہیں کر سکتے، تکلیف کر کے نیاز کو خود بھی اپنی خیریت سے مطلع کر دیا کرو، وہ ہمیں بتلا دیا کریں گے، اور اگر تکلیف نہ ہو تو اس خط کا جواب بھی اپنے قلم سے دو جس میں صحت کا مفصل حال ہو، رابع سلمہ کی طرف سے بھی سلام اور مضمون واحد، امید ہے کہ ۱۱/اکتوبر کو ہم دونوں رابطہ کے جلسہ میں شرکت کے لئے حجاز مقدس جائیں گے، وہاں سے بھی انشاء اللہ تمہاری خیریت دریافت کریں گے۔ جدہ کا ٹیلیفون نمبر احتیاطاً لکھ دیتے ہیں اس پر تم خود بھی اطلاع دے سکتے ہو، والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۳۰/ستمبر ۱۹۷۸ء

(۱۸)

۱۷/جنوری ۱۹۸۸ء

عزیزی محمد مسرور سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو اپنے حفظ وامان میں صحت وعافیت کے

ساتھ رکھے، اور جو تکلیفیں ہیں وہ دور ہو جائیں، اللہ تعالیٰ شفا و عافیت مرحمت فرمائے۔

یہ خط ایک بچے محمد نبیل سلمہ کے لئے لکھ رہا ہوں، مدراس میں ہمارے میزبان اور عزیز دوست کا لڑکا ہے، یہ ویکفیلڈ میں سلکوٹ اسکول میں تعلیم حاصل کریں گے، آپ ان کا خیال رکھیں اور خیریت و تعلیمی حالت معلوم کرتے رہیں، آپ سے تعلق رہے گا تو انشاء اللہ دین پر استوار اور اخلاق کے پاسدار رہیں گے، انشاء اللہ مولوی معین اللہ صاحب، مولوی عبداللہ عباس، مولوی نثار الحق صاحب، ڈاکٹر اشتیاق صاحب سب لوگ اس وقت یہاں موجود ہیں، سب کا سلام قبول فرمائے۔ والسلام

خاکسار

ابوالحسن علی

(۱۸)

رائے بریلی

عزیز گرامی قدر مسرور صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے کہ بعافیت ہو گے، خدا کرے فرزند بھی بہتر حال میں ہو، اس مرتبہ تو اگست والا آکسفورڈ کا سفر ملتوی ہو گیا، ایسے موانع پیش آئے جن پر قابو نہ پایا جا سکا، تمہارا خط آیا تھا، اگر آتے تو لندن میں تمہارے یہاں ہی ٹھہرتے اور کچھ دن سکون و راحت کے ساتھ گزرتے، مگر مقدر نہ تھا، اب زندگی رہی اور خدا کو منظور ہوا تو اسلامک سنٹر کے آئندہ جلسہ میں ضرور شرکت کی کوشش کی جائے

گی، ہماری غیر حاضری بہت محسوس کی گئی، اور ہمیں بھی شرمندگی رہی۔

اس خط کا اصل محرک یہ ہے کہ تمہارے یہاں لندن میں ایک شیطان سلمان رشدی کے نام سے موجودہ ہے، جس کی ملعون کتاب پر ہندوستان تک نے پابندی لگادی ہے، اور وزیر اعظم اس پابندی کو ہٹانے کے لئے تیار نہیں، اسلامی ممالک میں بھی اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے، لندن کی اسلامی انجمنوں اور تنظیموں اور مساجد نے اس کے خلاف حکومت انگلستان سے سخت احتجاج کیا ہے، افسوس ہے کہ لندن میں کئی لاکھ کی تعداد میں مسلمان موجودہ ہوں گے، ان کے ادارے بھی ہیں اور سرگرمی بھی، اور یہ شخص آزادی سے وہاں گھومتا پھرتا ہے، اس سلسلہ میں جو کچھ کیا جا سکے وہ ضرور کرنا چاہئے، ورنہ قیامت کے دن اللہ اور اس کے رسول محبوب رب العالمین کو کیا منہ دکھایا جا سکے گا، اس سلسلہ میں جو کچھ تم سے ہو سکے اس سے دریغ نہیں کرنا چاہئے، صورت حال سے مطلع کرو اور بتاؤ کہ اس کو وہاں بھی کچھ محسوس کرایا گیا کہ نہیں؟

اگر خدا کو منظور ہے تو ہم انشاء اللہ ۹ر نومبر کو حجاز کے لئے روانہ ہوں گے، تم وہاں بھی مولوی عبداللہ عباس صاحب کے یہاں یا نور ولی صاحب کے یہاں ٹیلیفون کر کے بتا سکتے ہو، نمبر تمہارے پاس ہوگا، احتیاطاً نور ولی صاحب کا نمبر لکھ دیتے ہیں۔

گھر میں سلام و دعا کہو، رابع اچھے ہیں۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۲۰ر اکتوبر ۱۹۸۸ء

(۱۹)

لکھنؤ

عزیز القدر مسرور میاں سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امید ہے کہ تم مع متعلقین بخیر وعافیت ہوگے، تم نے تو خط نہ لکھنے کی گویا قسم کھا رکھی ہے، پچھلے سفر سے واپس آنے کے بعد تمہارا کوئی خط یاد نہیں آتا، یہ تمہارے مزاج ومعمول کے خلاف بات ہے جس سے تشویش ہوتی ہے۔

تم کو شاید فرحان صاحب یا کسی ذریعہ سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ۱۹۔۲۰ / اگست کو ہم اور رابع سلمہ استنبول سے کسی وقت لندن پہنچیں گے، ۲۱۔۲۲ سے اسلامک سنٹر کا جلسہ ہے، انشاء اللہ اس سے فارغ ہوکر اگر تمہارے لئے باعث تکلیف نہ ہوگا تو معمول قدیم کے مطابق تمہارے یہاں کچھ قیام رہے گا، اللہ تعالیٰ خیر وعافیت سے ملائے۔

ایک ضروری بات یہ لکھنی ہے کہ ہم نے اس سفر کے لئے اور لندن میں سنائے جانے کے لئے رشدی ملعون کی کتاب کے پس منظر میں اس کا یا اس کی کتاب کا نام لئے بغیر ایک پرزور ومدلل لیکن متوازن اور محققانہ مضمون اردو میں اس عنوان سے لکھا ہے ''پیغمبر اعظیم محسن عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور متمدن وشریف دنیا کا اخلاقی فریضہ'' انگریزی وعربی میں اس کے ترجمہ تیار ہیں، انگریزی کے لئے ہم نے فرحان صاحب کو لکھ دیا ہے کہ ذرا اچھے اور بڑے پیمانہ پر آکسفورڈ یا لندن میں اس کے سنانے کا انتظام کریں، اردو مضمون کے لئے مناسب انتظام کی ذمہ داری تمہاری ہے، تم لندن میں کسی سنجیدہ اور وقیع جگہ یا ہال میں جلسہ کا انتظام کرو، اس کے لئے پہلے سے اردو بولنے اور سمجھنے والوں کو

دعوت نامے جاری کردو، کوشش کرو کہ سنجیدہ اردو داں طبقہ ہندوستان اور پاکستان کا بڑی سے بڑی تعداد میں آجائے، عربی کے لئے مولوی انس الہ آبادی کے ذریعہ یا اسلامک سنٹر بیکر اسٹریٹ کے کسی ذمہ دار کے ذریعہ عربی جلسہ کا اہتمام ہونا چاہئے، تاریخیں ایسی رکھی جائیں جو ٹکرائیں نہیں، فرحان صاحب سے معلوم کرلیا جائے کہ کتنے دن ہم لوگ آکسفورڈ میں ٹھہریں گے اور وہاں کام رہے گا۔

خدا کرے تمہارے گھر میں ہر طرح عافیت ہو، اور بچہ بہتر حالت میں ہو، گھر میں سلام و دعا کہو، رابع سلمہ کا بھی سلام قبول ہو۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی ندوی

۳۰ر جولائی ۱۹۸۹ء

(۲۰)

لکھنؤ

عزیز القدر مسرور صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے تم مع متعلقین بعافیت ہو، ہمیں اپنی اس کوتاہی کا اعتراف ہے کہ وہاں سے آنے کے بعد تم کو کوئی مفصل خط نہیں لکھا، وہاں سے آنے کے بعد کچھ سفر کا تکان اور کچھ وہ امراض جو عرصہ سے چل رہے ہیں ان کا زور رہا، پھر تقریباً چند ہفتہ کے بعد حیدرآباد کے سفر کا پروگرام بن گیا، ابھی وہاں سے واپسی ہوئی، تمہارا ابھی اس عرصہ میں کوئی خط نہیں آیا، نہ ٹیلی فون پر رابطہ قائم ہوا، باقی تم

یاد برابر رہتے ہو، الحمدللہ دعا کی بھی توفیق ہوتی ہے۔

ہم نے لندن میں رشدی کے مسئلہ وفضا کو سامنے رکھ کر جو مضمون انگریزی، عربی اور اردو میں پیش کیا تھا اور جس کے لئے تم نے بھی پہلے سے پروگرام بنا رکھا تھا، اور کامیاب ہوا تھا، اب وہ رسالہ ''انسانیت کے محسن اعظم اور شریف ومتمدن دنیا کا اخلاقی فرض'' کے عنوان سے پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی کے پیش لفظ اور تعارف کے ساتھ خوبصورت چھپ گیا ہے، اس کے دس نسخے رجسٹرڈ ہوئی ڈاک سے تم کو بھیجے جا رہے ہیں، انگلستان کی خاص خاص مسلم تنظیموں اور انجمنوں کے ذمہ داروں کو پہنچانے کی کوشش کرنا، کلیم صدیقی صاحب کو بھی ایک پہنچا دینا، اگر وہاں تم یا کوئی اور اس کی زیادہ اشاعت کرنا چاہے تو اس کو فوٹو آفسٹ سے چھپوا سکتا ہے، ہماری طرف سے اجازت ہے، معلوم نہیں وہ بے توفیق اردو پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پڑھ سکتا ہو تو اس کے پبلشر کی معرفت ایک کاپی اس کو بھی بھجوا دو، فرحان صاحب نے اس کے انگریزی متن کے شائع کرنے کا ذمہ لیا تھا، دوروں کی وجہ سے وہ شاید ابھی نہیں کر سکتے، پہلے وہی چھاپیں گے، اس لئے کہ وہ ان کے سنٹر ہی کے لئے لکھا گیا تھا، پھر تم ذاتی طور پر اس کی اشاعت اور اس کو مناسب جگہوں پر پہنچانے کی پوری کوشش کرنا کہ یہ اس وقت وہاں کا بہت بڑا جہاد اور محبت وحمایت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان ہے، امید ہے کہ تم اپنی سوسائٹی کی طرف سے اور خود اپنی ذات سے پوری کوشش کرو گے۔

رابع سلمہ بخیریت ہیں، حیدرآباد کے سلسلہ میں بہت مصروف رہے، اپنے گھر میں سب کو سلام ودعا کہو، اس خط کا جواب ضرور دینا، اور رسائل کی وصولیابی کی اطلاع، امید ہے کہ اس کام کو عبادت ودعوت کی نیت سے پورے

انہماک سے کرو گے۔

والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۱۶/ربیع الاول ۱۴۱۰ھ ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۹ء

(۲۱)

بمبئی

۳۰/مئی ۱۹۹۶ء

محبّ عزیز محمد مسرور صاحب وفقہ اللہ لما یحب ویرضی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آں عزیز بخیر وعافیت ہوں گے، لکھنؤ میں ایک مرتبہ ٹیلیفون آیا تھا جس سے خیریت معلوم ہوئی تھی، کبھی کبھی خیریت سے مطلع کر دیا کریں۔

ہم یہ خط آں عزیز کو بمبئی سے لکھ رہے ہیں، یہاں ہم پرسوں کچھ گرمی سے بچنے کے لئے اور کچھ کاموں کے لئے آئے ہیں، اور دو ہفتے کے قریب رہنے کا ارادہ ہے، یہاں عزیز مکرم شفیق صاحب سے ملاقات ہوئی، جو ہمارے شیخ ومرشد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے پوتے ہوتے ہیں، یہ عرصہ سے بیمار ہیں، گردہ بدلا گیا ہے، اس سلسلہ میں وہ معاینہ ومشورہ کے لئے بمبئی آئے اور لندن بھی جانا چاہتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ ہم کو بار بار انگلینڈ کا ویزا ملنا مشکل ہے جب تک کہ وہاں کسی مسجد کی امامت یا کسی کام پر تقرر نہ ہو جائے، یہ تقرر نام کا ہوگا، صرف سفر کی سہولت کے لئے اس سے کام لیا جائے گا، ہم نے

غور کیا تو تمہارے سوا کوئی ایسا تعلق والا سمجھ میں نہیں آیا، جس کو بے تکلف لکھا جا سکتے، ویسے ان کے اطمینان کے لئے ہم ایک دو واقفوں کے نام اور لکھ دیتے ہیں، پوری بات ان سے معلوم ہوگی پوری امید ہے کہ آں عزیز ان کی مدد کریں گے، یا رہنمائی کردیں گے، ان کا اپنے اوپر حق سمجھ کر اتنا لکھ دیا، باقی ہم روز آنہ آں عزیز کا نام لے کر دعا کرتے ہیں، امید ہے تم بھی دعا میں یاد کرلیا کرتے ہوگے، گھر میں سب کو سلام ودعا کہو۔

تاکیداً مزید لکھا جاتا ہے کہ اس خط کو رسمی نہ سمجھیں، ایک بہت عزیز ہستی کے تعارف میں لکھا جا رہا ہے جو ہمارے پیرزادہ بھی ہوتے ہیں، اور ذاتی طور پر بھی عزیز ومحترم ہیں، جہاں تک ہو سکے ان کے مسئلہ کو حل کرنے اور لندن کی آمد ورفت اور قیام کے سلسلہ میں سہولت پیدا کرنے کی کوشش کریں، ہم بہت خوش ہوں گے، اور دعا دیں گے، آپ ان سے زبانی بھی سن لیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور کس لئے۔ والسلام

دعا گو وطالب دعا
ابوالحسن علی ندوی

(۲۲)

۱۰/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

عزیز گرامی قدر مسرور صاحب بارک اللہ فیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ہی آں عزیز سے ٹیلیفون پر بات ہوئی، ہم نے عزیز القدر قاری محمد شفیق صاحب فرزند مولانا عبدالجلیل صاحب برادر زادہ مرشدنا حضرت رائے

پوری اعلیٰ اللہ مقامہ کے سفر انگلستان کا تذکرہ کیا تھا، ان کو طبی مشورہ اور علاج کے لئے لندن جانا ہے، وہ اب آئے ہیں، ایک تعارفی خط چاہتے تھے جس سے ان کو مدد مل سکے اور سفر مفید ہو، ہمارے پاس تمہارے سوا کوئی اور واسطہ اور بے تکلف مخلص دوست نہیں، اس لئے تمہارا پتہ اور یہ تعارفی خط دے رہے ہیں، ان کے قیام کا بھی بندوبست تمہارے ذمہ ہے، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے جو خدمت بن آئے وہ بھی کرنا ہے۔

دعا گوو دعا جو
ابوالحسن علی

(۲۳)

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ تم بخیریت ہوگے، تم کو بہت تاخیر سے خط لکھ رہا ہوں، تمہاری محبتوں اور خلوص کا تقاضا تھا کہ لندن سے جانے کے بعد ہی تم کو خط لکھا جاتا مگر مسلسل سفر اور کاموں کے ہجوم نے فرصت نہ دی، یہاں اجتماع کے موقع پر پہنچ گیا تھا، بڑا عظیم اجتماع تھا۔

لندن کے قیام میں تم نے جس سعادت مندی اور یگانگت کا ثبوت دیا اس کا دل پر بہت اثر ہے، اور تمہاری دینی ودنیوی ترقی کے لئے دل سے دعا ہے، تمہارے والد سے بھی تمہارا ذکر خیر کیا، تمہارے ہاتھ کا پکا ہوا لذیذ کھانا بہت یاد آتا ہے، جو تمہارے خلوص ومحبت کا اثر تھا۔

مختار صاحب کو بہت سلام، جو احباب وہاں کے قیام میں اکثر ملا کرتے

تھے ان سب کو سلام، یہاں لوگ تم کو پوچھتے اور یاد کرتے ہیں، دوسری طرف کا مضمون مولوی ابراہیم صاحب کو دکھا دو، تم جمعرات کو تو برابر وہاں جاتے ہوگے، وہاں کے سب دوستوں کو کسی اجتماع میں سلام کہہ دینا۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۲۶؍نومبر

(۲۴)

لکھنؤ

عزیز گرامی مسرور صاحب سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ مع متعلقین بخیریت ہوں گے، شاید ہمارے حجاز آنے کا علم آپ کو مولوی عتیق صاحب یا کسی ذریعہ سے ہوا ہو، یہ خط مکہ مکرمہ سے لکھ رہے ہیں، باعث تحریر یہ امر ہے کہ ہمارے جدہ کے میزبان اور جن کے بستان میں ہم مدینہ طیبہ میں قیام کرتے ہیں الحاج محمد نور عبدالقادر نور ولی صاحب کے صاحبزادہ محمد یوسف نور ولی اپنے بچہ کو لے کر لندن آرہے ہیں، بچہ کی قوت سماعت نہیں ہے، ان کو یہاں کے ڈاکٹروں نے لندن میں آپریشن کرانے کا مشورہ دیا ہے، انہوں نے مجھ سے خواہش کی تھی کہ میں اپنے کسی دوست اور متعارف آدمی کو تعارفی خط لکھ دوں، نئے شہر اور مسافرت میں آدمی کو کسی وقت مدد اور رہنمائی کی ضرورت پڑ جاتی ہے، آپ کو اسی غرض سے تکلیف دے رہے ہیں، آپ یہ سمجھیں کہ ہمارے خاندان کا ایک فرد آرہا ہے، آپ اس کا جتنا خیال

کرتے ان کا خیال کیجئے گا، اس خاندان کے ہمارے اوپر احسانات ہیں، اور تقریباً ۲۵ برس سے یہ یکساں محبت اور تعلق رکھتے ہیں، یوں تو انہوں نے اور دوسرے انتظامات کر لئے ہوگے، قیام وغیرہ کے سلسلہ میں وہ آپ کو تکلیف نہیں دیں گے، صرف مشورہ اور تھوڑی سی تقویت اور تسلی کی ضرورت ہوگی، امید ہے کہ آپ اس سے دریغ نہ کریں گے۔

کچھ عرصہ ہوا آپ کا خط لکھنؤ میں ملا تھا، لیکن اس کا موضوع کچھ ایسا نازک اور احتیاط طلب تھا کہ ہم آپ کو کوئی خط نہیں لکھ سکے، امید ہے کہ آپ دونوں خود ہی کسی نتیجہ پر پہنچ گئے ہوں گے، اور مولوی عتیق صاحب نے خود ہی حالات کا اندازہ کر کے اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرلیا ہوگا، جو انشاء اللہ بہتر ہوگا، گھر میں سب کو سلام ودعا، سعدیہ تو اب بڑی ہوگئی ہوگی، معلوم نہیں اردو جانتی ہے یا نہیں، اور باقی خیرت ہے، والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

بنام

مولوی ولی آدم صاحب

مولوی ولی آدم صاحب لسٹر میں مقیم ہیں، حضرت مولانا علیہ الرحمۃ سے بیعت واسترشاد کا تعلق تھا، حضرت نے اجازت سے بھی نوازا، اور برطانیہ کے بعض نئے سالکین طریقت کو ان کی طرف متوجہ کیا۔

ولی آدم صاحب کے نام حضرت مولانا کے کافی خطوط ہیں، ان میں سے درج ذیل خطوط کا انتخاب کیا گیا ہے، ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کی نگاہ میں ان کی کتنی قدر تھی، یہ خطوط شاہد ہیں کہ حضرت مولانا کے نزدیک تصوف، احسان وتزکیہ کا دوسرا نام تھا، آپ نے اس پر زور دیا کی کتاب وسنت کی پیروی کی جائے، بدعات وخرافات سے احتراز کیا جائے، اور خواب کو زیادہ اہمیت نہ دی جائے، خطوط آپ کے سامنے ہیں ان کا مطالعہ کیجئے، اور مولانا کے ذریں ارشادات سے فائدہ اٹھائیے۔

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مورخہ ۲۲ / جمادی الثانیہ ملا، حالات مندرجہ سے واقفیت آگاہی ہوئی، بریلویوں کا مزاج اور طرز عمل خوب معلوم ہے ان کا کام صرف صد عن سبیل اللہ اور ان کی صفت قرآن مجید میں ''یأکلون أموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ'' بیان کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے، حکمت وموعظت سے کام لیجئے، ہمارے بڑے بھانجہ محمد ثانی ایڈیٹر ''رضوان'' کا ایک مہینہ ہوا انتقال ہوا، ان کے لئے دعا کیجئے۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۲۶ / مارچ ۱۹۸۲ء

(۲)

رائے بریلی

۲۲ / شوال ۱۴۰۲ھ

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب مورخہ ۲۴ / جولائی مجھے بہت تاخیر سے ۱۸ / اگست کو ملا، میں آخر جولائی میں الجیریا چلا گیا تھا، اس سے خوشی ہوئی کہ آپ کو ایک برس کا ویزا

مل گیا ہے، اور آپ اپنے بیوی بچوں کے پاس پہنچ گئے، اور اپنا ذاتی مکان بھی خرید لیا ہے، الحمدللہ آپ کسی کے قرض دار بھی نہیں، آپ نے جو حالات لکھے ہیں سب قابل مبارک باد ہیں، آپ اپنی اہلیہ سے بتا دیجئے کہ وہ دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھیں، پھر اپنی زبان میں توبہ کے الفاظ دہرا کر جن میں شرک، بدعت، نماز چھوڑنے، جھوٹ بولنے سے توبہ کی جائے، اور اللہ و رسول کے حکم کی پابندی، تابعداری کا عہد ہو، یہ کہیں کہ میں فلاں (ابوالحسن علی) سے بیعت کرتی ہوں، اور مجھ کو اطلاع بھی دے دیں، انشاء اللہ اس طرح سلسلہ میں داخل ہو جائیں گی، پڑھنے کے لئے وہ تسبیحات بتا دیجئے گا جو آپ کو بتائی گئی تھیں۔

دعا گو

ابوالحسن علی

۱۲/اگست ۱۹۸۲ء

(۳)

لکھنؤ

۲۲/مارچ ۱۹۸۳ء

عزیز القدر سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ۹/صفر اس وقت پہنچا جب میں حجاز کے سفر پر روانہ ہو گیا تھا، خط سے حالات معلوم ہوئے، لڑکے کی ولادت پر دلی مبارک باد قبول کریں، سلمان نام بہت مبارک ہے، اللہ تعالیٰ اسم بامسمی بنائے۔

آپ کے دل میں جو برا خیال و وسوسہ آیا تھا اللہ نے اس سے محفوظ

رکھا، اس پر شکر کیجئے، اور اللہ تعالیٰ سے عفت قلب ونگاہ کی دعا کرتے رہیں، ٹیلی ویژن اور فلموں کا فتنہ بلاد مقدسہ تک پہنچ گیا ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

والسلام

مخلص

ابوالحسن علی

(۴)

تکیہ رائے بریلی

۱۴ر دسمبر ۱۹۸۲ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مورخہ ۲۹ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ تقریباً دو ہفتے ہوئے آیا تھا، میں بہت مصروف رہا، بہت سے خط بھی نہیں پڑھ سکا، آپ کے حالات الحمدللہ قابل شکر ہیں، خواب بھی مبارک ہے، جسم مبارک کو کمزور دیکھنے کی تعبیر یہ ہے کہ آپ کا دین اس وقت بہت کمزور حالت میں چل رہا ہے، صحابی رسول نے امیر جماعت کے اندر جو کمزوریاں بتائیں ان کی طرف تبلیغی جماعت کو توجہ کی ضرورت ہے، اور آپ کو بھی متنبہ رہنے کی۔

اپنے معمولات واوقات کی پابندی کیجئے، اور ذکر ودعوت کے کام سے غفلت نہ کیجئے، میں دعا کرتا ہوں۔ والسلام

مخلص

ابوالحسن علی

(۵)

لکھنؤ

۱۸؍فروری ۱۹۹۱ء

محبی سلام مسنون

آپ کا خط ملا، حالات معلوم ہوئے، آپ ہندوستان آسکتے ہیں، لیکن مصارف بہت زیادہ ہوں گے، آپ عیال دار آدمی ہیں۔

بچوں کو وہیں کسی دینی اسکول میں تعلیم دلائیں، لسٹر میں ہماری کتاب قصص النبیین کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا ہے جو مدارس کے نصاب میں داخل ہے اس کو پڑھ کر عقائد صحیح ہوں گے۔

ہماری کتابیں سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوری، تذکرہ فضل رحمٰن اور ارکان اربعہ کا مطالعہ کریں۔ باقی سب خیریت ہے۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

(۶)

رائے بریلی

۲۲؍فروری ۱۹۹۴ء

محبّ عزیز و مکرم سلام مسنون

آپ کا مفصل خط ملا، حالات معلوم ہوئے، رمضان المبارک میں مشغولیت کی وجہ سے تفصیلی جواب مشکل ہے، اگر زندگی رہی اور آکسفورڈ آنا ہوا تو زبانی بات ہو جائے گی، پھر بھی اختصار کے ساتھ چند باتیں لکھ رہا ہوں، خواب

مبارک ہے، آپ کے احساسات مبارک ہیں، ہماری تصنیفات کا مطالعہ جاری رکھیں، حضرت تھانوی کے ملفوظات اور مواعظ بھی مطالعہ میں رکھیں، معمولات کی پابندی کریں، صبح کو نہ ہوسکے تو شام کو پورے کرلیں۔

بچوں کو حکمت عملی کے ساتھ نرمی اور حسن اخلاق سے کام لے کر دین کی طرف متوجہ کریں، دینی کتابوں کے مطالعہ کا شوق اور ترغیب دیں، اور ان کی ہدایت کے لئے دعائیں بھی کریں، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ راہ ہدایت ملے گی اور کوئی خاص بات نہیں ہے، کبھی کبھی اپنے حالات سے مطلع کرتے رہیں، اس وقت اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ والسلام

دعا گو
ابوالحسن علی

(۷)

رائے بریلی
۲۶؍ذی القعدہ ۱۴۱۰ھ
محبّ مخلص ولی آدم صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ۱۰؍اپریل کا لکھا ہوا مختصر خط ملا، جس کے ساتھ ۱۰ پونڈ کا پوسٹل آرڈر تھا، اس سے پہلے آپ کے خط کا مفصل جواب دیا جاچکا ہے، امید ہے کہ اب پہنچ چکا ہوگا، آپ کا مخلصانہ ہدیہ ہم قبول کرتے ہیں، آئندہ آپ اس کا اہتمام نہ کریں، آپ سے للہ فی اللہ محبت ہے، آپ دعا میں یاد رکھیں، اور کبھی کبھی اپنی خیریت وحالات سے مطلع کردیا کریں، اور اپنے اذکار ومعمولات

جاری رکھیں۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۲۷/اپریل ۱۹۹۰ء

(۸)

لکھنؤ

۱۷/ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

محبی ومکرمی ولی آدم صاحب وفقہ اللہ لما یحب ویرضی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ ایک ہی دو روز ہوئے ملا، اس سے پہلے کا خط بھی مل گیا تھا، مگر اس کا لفافہ کہیں الگ ہو گیا تھا جس سے پتہ نہیں مل سکا اور جواب دینا رہ گیا، ہمیں اندازہ تھا کہ ہمارے نہ آنے سے آپ کو افسوس ہوا ہوگا، اور خلا محسوس ہوا ہوگا، ہمیں بھی افسوس رہا کہ ہم نہیں آسکے، سنٹر کے جلسے بہت کامیاب ہوئے، سنٹر کے علاوہ آپ جیسے احباب اور اہل تعلق سے ملنا بھی ہو جاتا ہے، وہ بھی رہ گیا، اگر اللہ کو منظور ہے اور زندگی رہی تو انشاء اللہ آمد پر ملاقات ہو جائے گی، آپ نے حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کی جو ہدایت لکھی ہے وہ بہت عارفانہ اور منصفانہ ہے، اور کلام الٰہی کے شایاں شان، آپ اس پر عمل کریں۔

مولانا یوسف متالا صاحب کو ہماری کتاب ''المرتضیٰ'' کے مطالعہ کی خبر سے خوشی ہوئی، ہم ان کے مدرسے اور مرکز میں جا چکے ہیں، آپ کبھی کبھی خیریت سے مطلع کر دیا کریں، ہماری صحت اور توفیق وقبولیت کے لئے دعا کریں، ہمیں

بھی آپ کے لئے دعا کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۱۰/اگست ۱۹۹۰ء

(۹)

لکھنؤ

۱۲/ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

محبّ مخلص ولی آدم صاحب زادہ اللہ توفیقا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب عزیز مورخہ ۲۳/اگست ملا، اس سے پہلے ایک خط ملا تھا، لیکن اس وقت ہم رائے بریلی میں تھے، وہاں ایریلیٹر نہیں مل سکا، اس لئے آپ کو جواب نہیں دیا جاسکا، خط محفوظ رکھا تھا کہ جب ایریلیٹر مل جائے گا آپ کو فوراً خط لکھیں گے، لیکن جلد اس کا موقع نہیں مل سکا، اور جواب میں بہت تاخیر ہوگئی، آپ نے خط میں اس پر کچھ فکر وتأثر کا اظہار بھی کیا ہے، اس تاخیر کی وجہ تعلق میں کوئی کمی یا بے اعتنائی نہیں تھی، ایریلیٹر نہ ملنا اس کی وجہ تھی، آپ سے ایک مستقل تعلق ہے، اور انشاء اللہ رہے گا، آئندہ بھی اگر کبھی سفر وغیرہ کی وجہ سے تاخیر ہو تو آپ اس سے دلگیر نہ ہوں، اس مرتبہ لندن کے سفر کے التوا کی وجہ سے جو مجبوری سے ہوا آپ سے اور دوسرے احباب سے ملنا نہ ہوسکا، اب اللہ تعالیٰ کسی بہتر موقع پر بہتر جگہ ملاقات کرائے۔

یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ آپ زیارت حرمین شریفین سے

مشرف ہوئے، اس پر مزید یہ کہ ہماری کتاب ''آپ حج کیسے کریں'' اور حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی کتاب ''فضائل حج'' آپ کے مطالعہ میں رہی، امید ہے کہ آپ نے وہاں کی دعاؤں میں ہمیں بھی یاد کیا ہوگا، اس سے خوشی اور عزت حاصل ہوئی کہ ایک طواف کا بھی آپ نے ثواب بخشا، اور ہمارے لئے دعائیں کیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اپنی خیریت وحالات سے کبھی کبھی مطلع کر دیا کریں، اور جواب میں تاخیر ہوتو کچھ خیال نہ کریں، اکتوبر کے مہینہ میں کئی سفر ہیں، اہل تعلق سے سلام کہئے۔ والسلام

دعاگو

ابوالحسن علی

۹ر ستمبر ۱۹۹۰ء

(۱۰)

لکھنؤ

۸ر جمادی الآخرۃ ۱۴۱۶ھ

محبّ عزیز و مخلص الحاج ولی آدم صاحب زادہ اللہ توفیقاً وقبولاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے دو خط چند دن کے فاصلہ سے ملے، ایک پر ۱۳ر ۱۱ر اکتوبر کی تاریخ ہے، اور ایک پر تاریخ نہیں ہے، آپ کا خط پا کر خوشی ہوئی، اس سے اطمینان ہوا کہ آپ کو ہمارا خط مل گیا، ہم کو بہت سفر کرنے پڑتے ہیں، ابھی ایک دورہ سے واپس آئے، دوسرے دورہ پر جارہے ہیں، خطوط پڑھ کر خوشی ہوئی، آپ نے اپنے جو تأثرات اور احساسات لکھے ہیں ان سے مسرت اور اطمینان ہوا، یہ

معلوم کر کے خوشی ہوئی کی آپ کا حضرت شیخ کے ایک خلیفہ سے ربط وتعلق بھی ہے، انہوں نے اگر آپ کو ایسے الفاظ سے خطاب کیا تو یہ اللہ کا فضل ہے اور ان کی مردم شناسی، اس سے خوشی ہوئی کہ آپ نے ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' بالاستیعاب پڑھ لی، حضرت مولانا وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت کے خلفاء کی کتابیں مطالعہ میں رکھئے، آپ نے اپنے جو خواب لکھے ہیں مبارک ہیں، اس وقت بڑی مصروفیت میں یہ خط لکھا جارہا ہے۔

آپ نے ایک رقم بھی ہدیہ کی ہے، آپ کے تعلق واخلاص کے اعتماد پر اس کو قبول کرلیا، مگر آپ کو اس تکلیف کی ضرورت نہ تھی، آپ کی محبت اور تعلق کافی ہے، ہمیں دعاؤں میں یادرکھیں۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۲رنومبر ۱۹۹۰ء

(۱۱)

لکھنؤ

۲۶رشعبان ۱۴۱۶ھ

محبّ عزیز ومکرم ولی آدم صاحب زادہ اللہ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ ہر طرح بعافیت ہوں گے۔ ۲۷ردسمبر کو رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لئے اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے

لئے حجاز مقدس کا سفر پیش آیا، جہاں سے واپسی ۱۰ر جنوری کو ہوئی، واپسی پر آپ کا ۲۹ر دسمبر کا لکھا ہوا مسرت نامہ ملا۔

آپ نے بڑی تفصیل سے اپنے حالات، واردات اور معمولات لکھے ہیں، جن کو پڑھ کر خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ قبول و مبارک فرمائے، اور ان کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، قرآن مجید کی تلاوت کا معمول ضرور رکھیے، اور جن لوگوں کے لئے دعا کرتے ہیں ان کے لئے دعا کرتے رہیے، آپ نے اپنے جو واردات اور احساسات لکھے ہیں وہ مبارک ہیں، محبت و تعلق کی بات ہے کہ اس ناچیز کا تصور اور خواب میں رویت ہوتی رہتی ہے، خوابوں اور تصورات کو زیادہ اہمیت نہ دیں، سنت اور شریعت کی اتباع کو اصل سمجھیں، دینی کتابوں کا مطالعہ جاری رکھیں، جن میں حضرت تھانوی کی اصلاحی، تربیتی کتابوں کا خاص اہتمام ہو، ہماری کتابیں، خاص طور پر ''دستور حیات'' اور بزرگوں کی سوانح بھی پڑھیں۔

آپ نے ہماری جن کتابوں کے مطالعہ کا ذکر کیا ہے وہ سب مناسب اور مفید ہیں، اس وقت شدید مصروفیت اور رمضان مبارک کے قرب کی وجہ سے اس سے زیادہ تفصیل سے نہیں لکھا جاسکتا۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۱۸ر جنوری ۱۹۹۶ء بروز جمرات

بنام

احقر مرتب

احقر مرتب محمد اکرم ندوی بن حافظ تجمل حسین کا تعلق ہندوستان میں جونپور سے ہے، ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ مطابق اپریل ۱۹۶۳ء میں پیدائش ہوئی، ۱۹۸۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے عالمیت، اور ۱۹۸۳ء میں فضیلت کی، اس کے بعد دارالعلوم ہی میں تقریباً چھ سال تدریس کے فرائض انجام دیئے، مخدوم معظم واستاذ محترم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے مشورہ سے ۱۹۹۱ء سے آکسفورڈ سنٹر برائے مطالعات اسلامی سے تعلق ہے، احقر کی بعض تصنیفات: ا۔نفحات الهند واليمن باسانيد الشيخ ابي الحسن ۲۔اصول الشاشي (تحقیق وتعلیق) ۳۔العلامة شبلي النعماني (حیات وخدمات) ۴۔العلامة السيد سليمان الندوي (حیات وخدمات) ۵۔بغية المتابع باسانيد العلامة الشريف محمد الرابع ۶۔كفاية الراوي عن العلامة الشيخ يوسف القرضاوي ۶۔العقد اللجيني في اسانيد العلامة الشريف سلمان الحسيني ۷۔بستان المحدثين (عربی ترجمہ، تحقیق وتعلیق) ۸۔رحلة شبلي (علامہ شبلی کے سفر نامہ مصر وروم وشام کا عربی ترجمہ)۔

حضرت مولانا علیہ الرحمۃ سے زمانہ طالب علمی سے تعلق ہے، احقر کے نام مولانا کے صرف تین خطوط ہیں، ایک چوتھا خط بھی شامل ہے جو استاذ محترم مولانا نذر الحفیظ ندوی کی طرف سے ہے، اسے اس مجموعہ میں اس لئے شامل کرلیا کہ وہ حضرت مولانا کے حکم سے لکھا گیا تھا۔

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکھنؤ

عزیز القدر مولوی محمد اکرم ندوی سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبی ڈاکٹر فرحان احمد نظامی صاحب آپ کا خط لائے، خوشی ہوئی، اس سے پہلے بھی خطوط سے معلوم ہوتا رہا کہ آپ وہاں مطمئن اور خوش ہیں، خط سے مزید اطمینان ہوا، دینی وعلمی مشاغل کے ساتھ اپنی انگریزی کی قابلیت بڑھانے، بولنے، اور لکھنے کی مشق کو ترقی دینے کی کوشش بھی کریں، یہ موقع ہر ایک کو نہیں ملتا، جو توفیق الٰہی سے آپ کو مل گیا، انگریزی کی اس مشق ومہارت سے آپ بہت مفید اور قیمتی کام لے سکتے ہیں، اور چیزیں اور جگہ بھی ہوسکتی ہیں، لیکن اس مقصد کی تکمیل وہیں ہوسکتی ہے، اس لئے اس کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، عزیزی محمد رابع سلمہ سے رابطہ رکھیں، ہمیں بھی خیریت وحالات معلوم ہوتے رہیں گے، آئندہ سنٹر کے جلسہ میں آنا ہوا تو انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

۷/ مارچ ۱۹۹۱ء

(۲)

۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

عزیز فاضل وگرامی قدر مولوی اکرم ندوی صاحب زادہ اللہ توفیقاً وتقبل منہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ اور رفیق عزیز ومکرم فرحان احمد صاحب نظامی اور کارکنان مرکز سب بخیر وعافیت ہوں گے، سنٹر کے اجتماع کی تاریخ بالکل قریب آگئی ہے، لیکن ہماری صحت کچھ عرصہ سے غیر معمولی طریقہ پر کمزور اور متاثر ہے، چند قدم بھی چلنا مشکل ہے، مسجد ذرا فاصلہ پر ہوتی ہے تو وہیل چیر پر جانا پڑتا ہے، اور فجر کی نماز تو بالکل اپنی خواب گاہ میں چار پائی کے پاس پڑھنی پڑتی ہے، اس لئے سفر بہت مشکوک ہے، محبّ عزیز فرحان صاحب سے رابع سلمہ ٹیلی فون پر بات کریں گے، خدا کرے وہ اس مرتبہ رخصت دے دیں، نہیں تو پھر جیسا اللہ کو منظور ہوا کیا جائے گا۔

ہمیں بڑی شرمندگی ہے کہ آپ کے تحقیقی وتاریخی کام بلکہ کارنامہ کی جلد قدر نہ کی جاسکی، ہمیں بہت بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کا لکھا ہوا پورا مقدمہ وتعارف یہاں آچکا ہے، رائے بریلی کے قیام میں اس پر نظر ڈالی تو مسرت کے ساتھ حیرت بھی ہوئی، آپ کی خاطر اور آپ کی محنت کے اعتراف ورسید کے طور پر ایک مختصر تبصرہ لکھ دیا، احتیاطاً وہ ڈاک سے بھیجا جا رہا ہے، اگر آنا ہوا تو اپنے ساتھ بھی لیتے آئیں گے، اس کی حیثیت ایک اعتراف اور قدر دانی کی ہے، بڑا اچھا ہوتا اگر علامہ شیخ عبدالفتاح یہ تقدیم لکھ دیتے، اب بھی اگر ممکن ہو تو کسی عرب محدث وفاضل سے کچھ لکھوا لیجئے، باقی عند الملاقات۔

فرحان صاحب سے بہت سلام کہئے اور یہ خط بھی دکھا دیجئے۔

والسلام

دعا گو وطالب دعا

ابوالحسن علی

۱۸/اگست ۱۹۹۷ء

(۳)

لکھنؤ

۲۸/ستمبر ۱۹۹۷ء

عزیز القدر مولوی محمد اکرم ندوی

سلمہ اللہ تعالیٰ، دعائیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آں عزیز کا مکتوب مورخہ ۲۵/ربیع الثانی وقت پر موصول ہو گیا تھا، طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے جواب نہیں جا سکا، اس سے خوشی ہوئی کہ آں عزیز کو وہ تحریر پسند آئی۔

صرف صحاح ستہ مسند احمد اور جن لوگوں کا ذکر کیا ہے ان کی اجازت حاصل ہے، والد صاحب سے اجازت حاصل نہیں، اس لئے کہ اس وقت ہماری عمر دس سال کی تھی جب ان کی وفات ہوئی ہے، حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی کسی کتاب کی اجازت حاصل نہیں، آپ جب ہندوستان آئیں تو وہ سند حدیث حاصل کر لیں جو ہم دیا کرتے ہیں۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی

(۴)

لکھنؤ

۲؍جولائی ۱۹۹۸ء

برادر عزیز ومکرم مولوی محمد اکرم ندوی سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ ہر طرح بخیر ہوں گے، یہ خط حضرت دامت برکاتہم کے حکم پر لکھ رہا ہوں، آپ کی ترتیب دی ہوئی کتاب اسانید الشیخ ابی الحسن کے تین نسخے حضرت کو موصول ہوئے، حضرت والا نے اس کتاب پر بڑی غیر معمولی مسرت کا اظہار فرمایا، کئی دن تک مجلسوں کا موضوع بنی رہیں، بڑی دعائیں آپ کو ملیں، آپ کے سلیقہ تصنیف وتحقیق کی داد دی گئی، ہم لوگوں نے بھی زیارت کی، کتاب ظاہری ومعنوی حسن سے مالا مال ہے، حضرت نے دلی مبارک باد دی ہے، اور ڈھیر ساری دعائیں، فرمایا ہے کہ مزید نسخے بھیج دیں تاکہ یہاں کتب خانہ میں دی جا سکے اور بعض لوگوں کو بطور ہدیہ بھی، ہماری طرف سے مبارک باد قبول کریں۔

آپ کی کتاب یا تحقیقی حواشی اور ترجمے کا جو کام بستان المحدثین پر جاری تھا اس کا کیا ہوا، خدا کرے وہ کام بھی مکمل ہو گیا ہو، اصول فقہ پر کتاب کا مسودہ مولوی رضوان ندوی کے ہاتھ میں دیکھا تھا، معلوم نہیں وہ طباعت کے کس مرحلہ میں ہے۔

آپ کی کتاب کو دیکھ کر حضرت نے فرمایا کہ ندویوں کو چاہئے کہ حدیث اور فقہ کی طرف توجہ کریں اور اس میں اختصاص پیدا کریں، مولوی ابوسحبان کی کتاب "روائع الاعلاق فی شرح تہذیب الاخلاق" شائع ہو چکی

ہے، حضرت مولانا مدظلہ نے اس کتاب کی رسم اجراء دو ماہ پہلے اس وقت انجام دی جب کہ مجلس انتظامیہ کا جلسہ ہو رہا تھا۔

یہاں ہر طرح خیریت ہے، حضرت والا کا سلام و دعا قبول کریں، استاذ گرامی قدر محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ بخیریت ہیں، انہی سے پتا لیا ہے، کسی دن فون کر کے حضرت والا سے بات کر لیں گے، مولوی آفتاب عالم سے معلوم کیجئے کہ پرانے چراغ کا ترجمہ مکمل ہوا یا نہیں، نہ ہوا ہو تو آہستہ آہستہ یہ کام کر ڈالیں۔ والسلام

مخلص

نذر الحفیظ ندوی

فہرست مضامین